مدیر
مولانا سمیع الحق

ذی قعدہ ۱۳۸۷ھ — فروری ۱۹۶۸ء

جلد : ۳
شمارہ : ۵

سمیع الحق استاذ دارالعلوم حقانیہ طابع وناشر نے منظور عام پریس پشاور سے چھپوا کر دفتر الحق دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک سے شائع کیا

بدل سالانہ چھ روپے - فی پرچہ ۵۰ پیسے - غیر ممالک سالانہ ایک پونڈ - مشرقی پاکستان بذریعہ ہوائی ڈاک آٹھ روپے سالانہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

نقش آغاز

اسلامی دنیا آجکل نزول قرآن کا چودہ سو سالہ جشن منا رہی ہے۔ قرآن حکیم کی شکل میں نعمت خداوندی اور دین کی تکمیل بلاشبہ مسلمانوں پر خداوند کریم کا خاص احسان ہے جسکی وجہ سے اگر زندگی کا ہر لحظہ خوشی سے معمور رہے تو اس کا حق ادا نہ ہو سکے گا۔ اس نعمت کا بدلہ اور شکریہ صرف یہی ہے۔ کہ اپنی زندگی کو اس کے احکامات کے مطابق بنایا جائے۔ قرآن کا تقاضا ایک ہی ہے، چودہ سو سال قبل بھی یہی پیغام تھا آج بھی ہے اور قیامت تک یہی مطالبہ رہے گا کہ اس کی سچائیوں اور ابدی صداقتوں کا صدق دل سے اعتراف کرو۔ اور پھر اپنی ہر خواہش اور صلاحیت اس کی مرضی پر ڈال دو، وہ ہم سے تسلیم تام اور انقیاد کامل چاہتا ہے۔ اس نے ہمیں مسلمان کا نام دیا ہے۔ یعنی سب کچھ کسی کی مرضی پر قربان کرنے والا۔ یہی قرآن کا جشن ہے اور یہی اسکی یاد اگر ہماری زندگی اس پر عمل سے خالی ہے۔ تو نرے جشنوں، نعرہ بازیوں اور نمائشوں کی خدا کی بارگاہ میں کوئی وقعت نہیں۔ مگر جو قومیں عمل سے محروم ہو جاتی ہیں۔ وہ ہمیشہ اپنی روح اور اپنے ضمیر کو ان ظاہری فریب کاریوں کا سہارا دینا چاہتی ہیں۔ یہی معاملہ آج قرآن کریم سے ہے۔ اور ٹھیک حضور کی اس پیشگوئی کا ظہور ہو رہا ہے۔ کہ قرآن کا صرف نام اور رسم رہ جائے گا۔ ولم یبق من القرآن الا رسمہ۔ ہر چند کہ قرآن کے ساتھ یہ ظاہری تعلق بھی ذہب سے لگاؤ کی علامت ہے اور اس لحاظ سے خوشی کا مستحق، مگر حقیقی مسرت تو جب ہونی چاہیئے کہ ہر مسلمان اپنے عمل اور کردار سے قرآن کا جشن منانے لگے۔

★

جشن قرآن کی تقریبات میں بعض ایسے افراد اور ادارے بھی حصہ لے رہے ہیں جنہیں قرآن حکیم کی چودہ سو سالہ تشریح اور تعبیر سے اتفاق نہیں اور وہ اسے راسخ العقیدہ گروہ کی روایات پرستی اور رجعت پسندی کا نتیجہ قرار دیتے ہیں۔ اور نئے تقاضوں کی روشنی میں قرآن مجید کی نئی تعبیر کی ضرورت سمجھتے ہیں۔ اگر انہیں جشن منانا تھا تو کچھ عرصہ انہیں اور انتظار کرنا چاہیئے تھا تاکہ نزول قرآن پر کم سے کم چودہ سو ایک سال ۱۴۰۱ گزرنے کے بعد نئی تعبیرات کا "یک سالہ" جشن منا لیا جاتا۔ اب جب قرآن کی

تعبیرات اتنی سخت جان ہیں کہ چودہ سو سال کے طویل عرصہ میں انہیں مٹایا نہیں جاسکا، تو ان لوگوں کا ایسے جشن منانا کیا منافقانہ چال تو نہیں۔؟ انہیں تو دراصل ماتم اور یاس کی محفلیں رگانی چاہیئے تھیں۔ اس جشن و مسرت کا حقدار تو وہی راسخ العقیدہ گروہ ہے۔ جنکی انتھک جدوجہد، عملی جانکاہی، دینی ثقاہت خداداد فہم و فراست اور تقویٰ و تدین کے صدقے اہل زیغ والحاد کی دست، اندازیوں اور ریشہ دوانیوں کے باوجود قرآن حکیم اپنے معانی اور تشریحات کے ساتھ محفوظ رہا اور جس نے قرآن کریم کے منقول و متوارث مفہوم اور تعبیر کو جان و مال سے زیادہ عزیز سمجھا۔ قرآن حکیم کی حفاظت جس کا وعدہ ہوچکا ہے دراصل اس کے معانی، تشریحات اور سنت و حکمت نبویؐ ہی کی شکل میں ہے۔ اگر دین و شریعت کی شکل میں قرآن کے مطالب محفوظ نہ ہوتے اور ہر شخص اسے اپنی من مانی تاویلات اور تعبیرات کا جامہ پہنا سکتا تو صرف الفاظ کی حفاظت کا کوئی فائدہ نہ رہتا۔

---★---

جنوبی افریقہ اور یورپ میں آج کل دل کی تبدیلی کے اپریشن ہورہے ہیں۔ اس معاملہ کی شرعی حیثیت سے قطع نظر جہاں تک سائنسی ترقیات، متنوع انکشافات اور سرجری کے محیر العقول کارناموں کا تعلق ہے اگر ان کے استعمال سے کسی کے دینی، اخلاقی اور جسمانی یا مادی حقوق پائمال نہ ہوں اور وہ حقیقی معنوں میں انسان کی خدمت کا ذریعہ بنیں تو اسلام کو ایسی سائنس و تحقیق پر نہ کوئی اعتراض ہے اور نہ وہ مسلمانوں کو اس میں کمال حاصل کرنے سے روکتا ہے۔ آج کی سائنس درحقیقت عالم غیب کے بارہ میں اسلام کے ان اعتقادات کی تائید اور معجزات و کرامات کے ان خرق عادت نشانوں کی تصدیق کررہی ہے جس کا ظہور انبیاء کرام اور خدا کے برگزیدہ بندوں کے ہاتھوں ہوا اور علوم نبوت اور تعلیمات اسلام سے بے بہرہ عقل اور مادہ کی پرستش کرنے والے حضرات اب تک اس کے ماننے پر تیار نہ تھے۔ مثال کے طور پر اسلام نے اعتقادات کا یہ مسئلہ پیش کیا کہ قیامت کے دن انسان کے تمام اعضاء اپنے اپنے اعمال و افعال کی شہادت دیں گے۔ لوگوں نے اس پر حیرت ظاہر کی مگر آج کے گراموفون اور ٹیپ ریکارڈ نے بندگان مشاہدہ کو اس کے ماننے پر مجبور کردیا کہ اگر لوہا اور سیاہ رنگ کا فیتہ بول سکتا ہے تو جس خدا نے زبان کو گویائی کی طاقت دی وہ بدن کی کھال اور ہڈیاں کو بھی گویا کراسکتا ہے۔ امت مرحومہ کے عقیدۂ معراج جسمانی سے مادہ پرستوں کی عقل انکار کرتی رہی۔ آج کے خلائی اور سیاراتی کارناموں، جہاز، راکٹ اور میزائل نے تصور معراج کو تجربہ اور مشاہدہ کی حدود میں لاکھڑا کیا ہے۔ اسی طرح اسلام کے وزن اعمال کا مسئلہ کہ قیامت کے دن ہر شخص کے اعمال و

اقوال تولے جائیں گے۔ آج کے سائنسی اوزان اور ترازوؤں کے ذریعہ لطیف سے لطیف اشیاء حرارت، برودت اور ہوا تک کو تولا جارہا ہے۔ یہاں تک کہ جرمنی میں انسانی اخلاق اور احساسات معلوم کرنے کے آلات بھی ایجاد ہوچکے ہیں، اور وزن اعمال کا مسئلہ عقل وفہم کے قریب ہوچکا ہے۔ اگر حضرت عمر فاروقؓ کی آواز کا سینکڑوں میل کی مسافت پر پہنچنے پر استبعاد ہے تو ہزاروں میل سے ریڈیو، وائرلیس، ٹیلی ویژن کے ذریعہ اصوات اور تصاویر کے منتقل ہوتے سے اس "کرامت فاروقیؓ" کی تصدیق ہوجاتی ہے۔ یہی حال حضورؐ کے معجزۂ شق صدر کا ہے۔ حضورؐ کے سینۂ مبارک کا چاک ہوجانے کے واقعہ سے عصر حاضر کے فلاسفروں کو اگر اچنبا ہوسکتا تھا تو آج کی سرجری دل، جگر، گردوں اور دیگر اعضائے رئیسہ کے اپریشنوں کے ذریعہ حضورؐ کے شق صدر کے بارہ میں سچے اخبار اور دیگر غیبی معانی اور حقائق کی تسلیم پر دنیا کو مجبور کر رہی ہے۔ گو مسلمانوں کے نزدیک ان غیبی حقائق کی تصدیق اور ایمان کے لئے کسی سائنس اور مشاہدہ کی ہرگز ضرورت نہیں جس ذات نے حقائق اور خواص اشیاء کی پردہ دری کی صلاحیتیں انسان کو عطا فرمائیں کیا وہ خود اس کائنات اور اسکی مخلوقات میں تمام اسباب وعادات کو توڑ کر ہر قسم کے تصرف پر قادر نہ ہوگا۔؟

★

تبدیلئ دل کے اپریشن پر تاثرات اور ردِ عمل کے ضمن میں بعض ماہر ڈاکٹروں نے اس شبہ کا اظہار کیا ہے کہ مرنے والے کا دل ایسے حال میں نکال دیا جاتا ہے۔ کہ اس میں زندگی کی رمق اور آثار قائم رہتے ہیں۔ اگر واقعہ ایسا ہے جس کا ڈاکٹر برنارڈ نے بھی دبی زبان سے اعتراف کیا ہے۔ تو یہ "کارنامہ" سرجری کی تاریخ کا ایک سیاہ باب ہونا چاہئے۔ زندگی ایک لحظہ کی کیوں نہ ہو، بہرحال زندگی ہے۔ اور ہر انسان کو دوسرے کے ہزار سال سے اپنی زندگی کا ایک لمحہ عزیز ہوتا ہے۔ ایک کی متوقع زندگی کیلئے دوسروں کی زندگی کا ٹمٹماتا چراغ جلدی سے بجھا دینا ایک غیر اخلاقی اور خودغرضانہ حرکت ہے اگر مان بھی لیا جائے کہ اس مقصد کیلئے مردہ دلوں کو کام میں لایا جاتا ہے۔ تو شرعی حیثیت سے قطع نظر پھر بھی انسانی اور اخلاقی لحاظ سے یہ معاملہ غور طلب ہے۔ مگر "اخلاقیات" نام کی کوئی شے یورپ کی منڈیوں میں عنقا ہے۔

★

یورپ کے بعض ڈاکٹروں نے تبدیلئ قلب کے سلسلہ میں یہ توقع بھی ظاہر کی ہے کہ عنقریب انسان کے سینہ میں انسانوں کی بجائے سور اور بندر کا دل بھی نصب کیا جاسکے گا۔ کیونکہ سور اور بندر

کو انسانی قلوب سے زیادہ مناسبت ہے۔ اس کے ساتھ بعض ڈاکٹروں کا یہ تاثر بھی ملحوظ رہے کہ نئے دل کا انسان کی نفسیات پر بھی اثر پڑ سکتا ہے۔ انسان کا رشتۂ تخلیق بندر سے ملانے کا سہرا بھی یورپ کے سر تھا۔ ڈارون نے اپنی کتاب اصل الانواع میں انسان کو بندروں کی اولاد قرار دیا۔ چودھویں صدی کی تہذیب نے اپنے حیوانی فلسفوں اور ملحد طریقوں سے انسان کے باطن کو سور اور بندروں کے سانچہ میں ڈھال دیا۔ اور اس مسخ باطنی کی رہی سہی کسر اس ظاہری اور جسمانی مسخ سے پوری ہو جائے گی۔ بیسویں صدی کا انسان جسے فیاضِ ازل نے احسنِ تقویم اور کرامتِ عقلی کی دولت سے نوازا تھا۔ اپنے اعمال و کردار کے ہاتھوں دوبارہ اسفل سافلین کی طرف لوٹ رہا ہے۔ مغرب کے انسانی قلوب کا سور اور بندروں سے مناسبت کے بارہ میں ڈاکٹروں کی رپورٹ کی تائید مغضوب اور ذلیل اقوام کی تاریخ سے بھی ہو سکتی ہے۔ ان کی سرکشی، دنیا طلبی اور حق دشمنی نفسانی خواہشات کی پیروی اور حیوانیت جب حد سے تجاوز کر گئی تو خدا نے انہیں بندروں اور سوروں کی شکل میں مسخ کر دیا تھا اور انہیں شیطان کا غلام بنا دیا تھا جس کی خبر خدا نے ان الفاظ سے دی ہے۔ وجعلنا منھم القردۃ والخنازیر وعبد الطاغوت اولئک شر مکاناً واضل عن سواء السبیل۔ (اور ہم نے ان میں سے بعض کو بندر بنا دیا اور بعض کو سور اور طاغوت کے بندے۔ یہ لوگ بدتر ہیں درجہ میں اور بہت بھٹکے ہوئے ہیں سیدھی راہ سے۔) کیا آج کی مادہ پرست قومیں اخلاق و کردار کے لحاظ سے سور اور بندروں سے بڑھ کر نہیں ہیں۔؟ اور کیا انہوں نے اپنی خواہشات کو اپنا رب نہیں بنایا؟ کیا وہ زندگی کا مقصد صرف حیوانی خواہشات کی تکمیل نہیں سمجھتیں۔؟ پس جب کہ ہر انسانی مجد و شرف سے محروم کرنے اور خدا کی یاد سے غافل کرنے والی چیز طاغوت ہے تو ان کے عبد الطاغوت ہونے میں کون سا شبہ رہ گیا ہے۔ اور جب کہ اغراضِ حیوانی کی تکمیل میں حلال و حرام، شرم و حیاء، عفت و عصمت، ظلم و انصاف اور دیگر تقاضوں کا لحاظ نہ کرنا سوروں اور بندروں کی جبلت ہے۔ تو ان کے اعضاء اور جوارح سے عہدِ جدید کے ترقی یافتہ انسان کے جسم اور جوارح کی مناسبت کیوں نہ ہو گی ———؟

★

رمضان المبارک کے آخری عشرہ میں حضرت علامہ مولانا محمد ابراہیم صاحب بلیاوی صدر المدرسین دار العلوم دیوبند کا وصال ہوا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ——— حضرت علامہ علمی تبحر علوم نقلیہ و عقلیہ میں جامعیت، سلامتِ طبع، علمی وقار و تمکنت، زہد و تقویٰ اور بے نفسی ہر لحاظ سے بے نظیر

شخصیت اور اپنے اسلاف اکابر دیوبند کا ایک جیتا جاگتا نمونہ تھے۔ ۱۳۳۱ھ سے تادمِ واپسیں تقریباً ۵۵ سال کی طویل مدت تک عالمِ اسلام کے دینی و علمی مرکز دارالعلوم دیوبند کو اپنے علوم اور فیوضات سے سیراب کیا۔ برصغیر کے اجلّہ علماء میں شاذ و نادر ایسے ہوں گے جو ان سے بالواسطہ یا براہِ راست شرفِ تلمذ نہ رکھتے ہوں۔ دارالعلوم کو تائیدِ ایزدی سے جو عبقری شخصیتیں نصیب ہوئیں ان میں سے ایک حضرت علامہ کی ذات تھی۔ منطق اور فلسفہ کلام، عقائد اور دیگر علومِ عقلیہ میں انہیں ملکۂ خاص حاصل تھا۔ اس کے ساتھ علومِ نقلیہ، حدیث و تفسیر میں بھی یدِ طولیٰ رکھتے تھے۔ حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنی قدس سرہٗ العزیز کے وصال کے بعد رونق آرائے مسندِ صدارت بنے۔ اور دارالحدیث کی روایات کو برقرار رکھا۔ عقلیات اور فلسفہ میں اپنے وقت کے امام ہونے کے باوجود بے نفسی اور روحانی ولولہ کا یہ عالم تھا کہ کچھ عرصہ قبل اپنے ایک تلمیذ اور اپنے وقت کے صاحبِ نسبت و ارشاد بزرگ حضرت شاہ وصی اللہ الہ آبادی سے روحانی تعلق قائم کیا۔ افسوس کہ ایک ماہ کے قلیل وقفہ میں شیخ و تلمیذ اور مرشد و مسترشد دونوں نے ملتِ مسلمہ کو داغِ مفارقت دیا۔ علامہ مرحوم حضرت شیخ الہندؒ کے ممتاز شاگرد اور حضرت حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتوی کے علوم و معارف کے امین اور حامل تھے اور اس وقت دارالعلوم دیوبند کے علمی وقار و عظمت کا ایک نایاب اور کمیاب سہارا۔ علم و عمل کی عبقری شخصیتیں اٹھتی جا رہی ہیں۔ ان کی جگہ پُر نہیں ہو رہی، احادیث میں اسے قربِ قیامت کی نشانی قرار دیا گیا ہے۔ دارالعلوم دیوبند اس تشویشناک اور المناک صورتِ حال کا خاص طور سے شکار ہو رہا ہے، جو پوری ایک صدی تک ایک سے ایک نابغہ شخصیتوں کا مرکز بنا رہا۔ اور مر جانے والے کی مسندِ فیض و تدریس دوسرے اہل افراد سنبھالتے رہے۔ مگر پورے برصغیر اور عالمِ اسلام پر علم و تقویٰ کے لحاظ سے جو اضمحلال اور جمود چھا رہا ہے۔ اس سے دارالعلوم دیوبند کا متاثر ہونا بھی انوکھی بات نہیں۔ تاہم ابھی نگارخانۂ علم و دین میں علم و حکمت کے دو تابناک ستارے جُنیدِ وقت مولانا فخرالدین مرادآبادی شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند اور حضرت حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب مدظلہٗ کی شکل میں فروزاں ہیں۔ ہماری دعا ہے کہ انکی چمک دمک اور ضیا پاشیوں سے یہ چمنستانِ دین و علم تا دیر روشن اور آباد رہے۔ اور خداوند کریم آئندہ بھی تا قیامت اپنے غیبی الطاف سے دارالعلوم کو ایسے افراد عطا فرماتا رہے، جنکی ذات سے علم کی رونق، تقویٰ کی زینت اور دین و حکمت کی محفلیں قائم رہیں ——

واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل۔

سمیع الحق
۲۴ شوال ۱۳۸۴ھ

دعوات عبدیت حق

ضبط و ترتیب : ادارۃ الحق

ارشادات حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب مدظلہ

طاعات خداوندی کا سرچشمہ

محبت اور اس کے اسباب

خطبہ جمعۃ المبارک ۱۲ شوال المکرم ۱۳۸۷ھ

★

خطبہ مسنونہ کے بعد : والذین آمنوا اشد حباً للّٰہ -- محترم بھائیو! اس آیت کریمہ میں مومنین کی صفت بیان کی گئی ہے کہ انہیں خداوند تعالیٰ سے ہر چیز سے زیادہ محبت ہوتی ہے۔ تو ایمان کی نشانی اللہ جل جلالہ سے محبت کرنا ہے۔ اور یہ حقیقت ہے کہ جب محبت آجائے تو اس کی طاعت اور فرمانبرداری اور محبوب کا حکم ماننا باعث مشقت نہیں بلکہ موجب خوشنودی و تسلی اور سبب اطمینان ہوتا ہے۔ ہم میں کوئی ایسا نہیں، خواہ غریب ہو یا امیر جو مشقت اور تکلیف برداشت نہ کرتا ہو۔ زمیندار ہو یا دکاندار۔ حاکم ہو یا امیر و غریب۔ تم نے ایسا کوئی نہ دیکھا ہوگا کہ دن رات پاؤں پھیلائے بیٹھا ہو اور دن رات کسی نہ کسی مشقت اور فکر میں نہ لگا ہو۔ الا کوئی بیمار ہو ــــــ

ساری دنیا دوڑ رہی ہے۔ ہر شخص اپنی طاقت اور ہمت کے مطابق تکلیف اٹھا رہا ہے۔ اور یہ بے دین لوگ تو اتنی مشقت اور تکلیف میں ہیں کہ صبح کی نماز کے لئے اگرچہ نہیں اٹھ سکتے لیکن اگر رات کے تین بجے ڈیوٹی ہے تو اس شدید سردی میں اٹھ کر ڈیوٹی پر پہنچتے ہیں۔ ان پر خدا نے صرف دنیا کی ڈیوٹی مسلط کر دی ہے۔ اگر کوئی زمیندار ہے تو دن رات پانی اور کیچڑ میں، دکاندار دوکان میں اور ملازم اکثر سفر میں رہتا ہے ــــ سب اس کوشش میں ہیں کہ کچھ کما سکیں۔ اور یہ چیز انہیں بوجھ معلوم نہیں ہوتی اور وہ یہ سب کچھ محبت کے سلسلہ میں برداشت کرتے ہیں کہ اہل و عیال کیلئے نان و نفقہ، لباس، رہنے سہنے کی جگہ مہیا کریں۔ کوئی نوکری کرتا ہے، کوئی دکانداری، اور کوئی دن رات مزدوری۔ اہل و عیال کے ساتھ محبت ہے جس وجہ سے نہ انہیں

گرمی کا احساس ہے نہ سردی کا، اسے یہ احساس بھی نہیں کہ میں کیوں ایک پانڈی یا قلی ہوں۔ کہ دو چار آنے پر گھر سے دوکان یا اڈہ تک دو دو من بوجھ اٹھاتا پھرتا ہوں۔ بلکہ خوش ہو رہا ہے۔ کہ چار آنے کما کر بیوی بچوں کیلئے آٹا دال لے آئے گا ــــ

ــــ تو جب محبت ہو تو طاعت اور فرمانبرداری باعث سکون و اطمینان بن جاتی ہے۔ مگر آج مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ کی تابعداری بہت مشکل معلوم ہوتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بنیادی چیز جو محبت ہے وہی موجود نہیں۔ اگر محبت ہوتی تو خدا تعالیٰ کی تابعداری اور فرمانبرداری موجب سکون قلب بنتی۔ الا بذکر اللہ تطمئن القلوب۔ اور بیوی بچوں اور دوست احباب کی تابعداری سے زیادہ اہم سمجھی جاتی ــ

یاد رکھیں ایمان کی نشانی محبت ہے، اور محبت کے تفاوت سے ایمان متفاوت ہوتا ہے۔ اگر خدا سے محبت ہے تو سمجھئے کہ ایمان ہے اگر بہت ہے تو ایمان مضبوط ہے۔ اور اگر کم ہے تو ایمان کمزور ہے، اور اگر بالکل نہیں تو بالکل ایمان نہیں ہے۔ مگر سوال یہ ہے کہ محبت کیسے پیدا ہو۔؟ یہ تو زور اور جبر سے پیدا ہو نہیں سکتی۔ تو اتنا یاد رکھئے کہ محبت کے تین مشہور اسباب ہیں، ۱۔ احسان، ۲۔ کمال ۳۔ حسن و جمال۔

محبت کا پہلا سبب احسان اور مہربانی پہلا سبب احسان ہے کسی کا احسان اور مہربانی یا کسی کا نوال اور عطیہ موجب محبت بن جاتا ہے۔ ماں باپ کے ساتھ ہماری زیادہ محبت ہے۔ اس لئے کہ ان کے احسانات ہر چیز سے زیادہ ہیں۔ استاذ سے محبت ہے اس لئے کہ وہ ہمارا محسن اور مربی ہوتا ہے ــ اگر کوئی ہمیں کھانا دیتا ہے، کپڑا دیتا ہے، تنخواہ دیتا ہے تو ہم ہزار کہیں مگر دل کے کسی مخفی گوشہ میں اس کے ساتھ محبت ہو گی۔ تو محبت کا بڑا سبب احسان ہے اور اس مُنعَم کو اپنے مُنعِم سے طبعی محبت ہو جاتی ہے، جو کہ ایک فطری بات ہے۔

ــــ تو جب ہم دیکھتے ہیں کہ ہمارے ساتھ جتنے احسانات و انعامات ہیں، سب خدا تعالیٰ کی طرف سے ہیں۔ وما بکم من نعمة فمن الله وان تعدوا نعمة الله لاتحصوها۔ (جو بھی نعمت تمہارے اوپر ہے خدا کی طرف سے ہے وہ بیشمار ہیں اگر تم خدا کی نعمتیں گنو تو تمہارے شمار سے بھی باہر ہیں۔)

امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ اس دنیا اور عالم وجود میں صرف تین چیزیں ہیں۔ ۱۔ اللہ جل مجدہٗ۔ ۲۔ مُنعَم یعنی انسان ہم اور آپ سب۔ ۳۔ انعامات یعنی تمام عالم اور اس کی ہر شے انعام ہی انعام ہے ــ یہ ماں باپ، یہ بہن بھائی، بیوی اور شوہر حتیٰ کہ یہ چھت جس کے نیچے ہم سردی گرمی سے

محفوظ ہیں۔ یہ آسمان، یہ زمین، یہ کپڑے اور یہ وردی، یہ ہوا اور پانی اور یہ غلّہ وغیرہ سب انعامات ہیں۔ ایسی کوئی چیز نہیں جو انعام نہ ہو ـــــ تو دنیا میں یہی تین چیزیں ہیں ـــــ

وسخر لکم ما فی السمٰوات وما فی الارض جمیعًا۔ عرش سے لیکر نیچے تحت الثریٰ تک ہر چیز انسان کے لئے مسخر ہے۔ اور ہر چیز انسان پر انعام ہے۔

اب جب یہ تین چیزیں موجود ہیں تو مُنعِم کو مُنعَم کے انعامات کا بدلہ کیا دینا چاہیئے اور اس کا سلوک کیا ہونا چاہیئے، تو صاف بات ہے کہ محبت اور شکر خدا، یعنی ہر لحظہ ہر وقت شکر گذار رہنا چاہیئے۔ اگر کوئی کہے کہ ہمارے اوپر تو دوست احباب کے بھی احسانات ہیں۔ ماں باپ کے بھی، حاکم اور حکومت کے بھی، زید عمر بکر کے بھی۔ تو ٹھیک ہے جو مناسب برتاؤ تم ان لوگوں کے ساتھ کرنا چاہتے ہو کرو کیونکہ وہ تمہارے ہمدرد ہیں، محسن ہیں اور تمہارے دلوں میں شکر و محبت کے جذبات ان کے لئے موجزن ہیں ـــــ مگر سب سے بڑھ کر جو محسن ہے اُسے بھی یاد کیوں نہ کیا جائے ـــــ پھر یہ بھی یاد رکھئے کہ بندہ کا احسان و انعام متناہی ہے اور خدا تعالیٰ کا غیر متناہی اور یہ بات یاد رکھیں کہ ایک انسان جو بھی دوسرے انسان کے ساتھ احسان و سلوک کرتا ہے تو یہ سب خدا کی مرضی اور ارادہ سے ہوتا ہے۔

وما تشاؤن الّا ان یشاء اللہ رب العالمین۔ تم کوئی چیز نہیں کر سکتے جب تک خدا نہ چاہے ـــــ

خدا نے چاہا کوئی فائدہ پہنچا دے تو زید کے دل میں ڈال دیا کہ تمہیں روٹی کپڑا دیدے، یا فائدہ پہنچا دے۔ خواہ زید تمہارا باپ ہے، بھائی ہے، استاد ہے، حاکم ہے۔ دوست ہے، دشمن ہے جو بھی ہے۔ وہ اگر تمہاری ضرورت پوری کر دیتا ہے۔ خدا نے اس کے دل میں ڈال دیا تو اُس نے نوکری دی۔ کاشت کیلئے زمین دی، اور دیگر ضروریات تمہاری پوری کیں ـــــ

لوگوں کا شکریہ بھی ادا کرنا چاہیئے ـــــ من لم یشکر الناس لم یشکر اللہ۔ (جو لوگوں کا شکر گذار نہ ہو وہ اللہ کا بھی شکر گذار نہیں ہوتا۔) بندوں کا احسان درحقیقت خدا ہی کا احسان ہے۔ اسکی مثال یہ ہے کہ کسی بادشاہ نے قلم سے فرمان لکھ کر جاری کیا کہ فلاں شخص کو دس جریب جاگیر دے دو۔ اب ایسا نہیں ہو سکتا کہ یہ شخص قلم کے لئے دعا کرے یا قلم کا شکریہ ادا کرے، بلکہ بادشاہ کا شکر گذار ہوگا کہ خدا تمہارا سایہ میرے سر پہ قائم رکھے۔ تو اللہ اور بندہ کے بیچ میں جو کچھ بھی ہے وہ سب بمنزلۂ قلم کے ہے اور ہے سب کچھ خدا کی طرف سے ـــــ اسباب کی

حیثیت بالذات کچھ بھی نہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ مومن کا یہ عقیدہ ہونا چاہئیے کہ جو فائدہ آپ سے خدا تعالیٰ پہنچانا چاہے دنیا کے مخالف ہونے سے وہ ٹل نہیں سکتا۔ اور جو فائدہ خداوند کریم نہ پہنچانا چاہے وہ دنیا کے بادشاہ، دولتمند اور دنیا بھر کے حکماء سب جمع ہو کر بھی نہیں پہنچا سکتے۔

محسن کی ناشکری کرنیوالا چوپایوں سے بھی بدتر ہے پس اگر ایک شخص سے خدا احسان کرتا ہے اور پھر اسے خدا سے بھی محبت نہ ہو تو یہ بڑا بدقسمت ہوگا۔ اور وہ تو اولٰئک کالانعام بل ھم اضل کی بنا پر چوپایوں سے بھی بدتر ہے۔ دیکھئے ان حیوانات میں خراب اور بدترین حیوان کتا سمجھا جاتا ہے کتے کو تم باسی روٹی کا ٹکڑا اور ہڈی ڈال دیتے ہو، اس معمولی احسان کے بدلے وہ تمہارے دشمن اور مخالف کو کبھی تمہارے گھر کے قریب نہیں آنے دیتا۔۔۔۔ کہ تمہارے احسان کا شکریہ ادا کرتا ہے اور بسا اوقات چور آتا ہے کتے کو گولی سے مار ڈالتا ہے اور کتا اپنے محسن کی حفاظت کیلئے جان قربان کر دیتا ہے۔ اُسے احساس ہے کہ احسان کا تقاضا محبت ہے۔ نہ اس کتے نے کتابیں پڑھی ہیں اور نہ کوئی منطق، پھر اس کتے کو اس قربانی کا مالک کی طرف سے کوئی انعام بھی نہیں ملتا اور اکثر اس کے مالک کو اسکی قربانی کا پتہ بھی نہیں چلتا کہ وہ تو لحاف اوڑھے ہوئے سویا رہتا ہے۔۔۔۔۔

انسان نے اگر قربانی دی تو اُسے خدا کی خوشنودی اور جنت ملے گی۔ وہ اللہ جس نے ہمارے اوپر غیر متناہی احسانات کئے اس کے دربار کا دروازہ ہر وقت کھلا رہتا ہے۔ اور آواز ہوتی ہے: حی علی الصلوٰۃ حی علی الفلاح۔ مگر ہم اس دربار کے قریب بھی نہ آئیں، اس کا دربار تو مسجد ہے اور ہم نماز تک نہ پڑھ سکیں تو کتنا فرق ہے ایسے انسان اور کتے میں۔ تو جو شخص باوجود اتنے احسانات کے خدا سے محبت نہ کرے تو کیا وہ کتے سے بدتر نہ ہوا۔۔۔۔۔؟ اولٰئک کالانعام بل ھم اضل یہ تو چوپایوں سے بھی بدتر ہیں۔ آخرت کی رسوائی تو الگ دنیا میں اسکی حیثیت اس قدر گر جاتی ہے۔۔۔۔۔ غرض ایک سبب خدا سے محبت کا اسکی بخشش و احسان ہے

محبت کا دوسرا سبب دوسرا سبب کمال ہے۔ کمال جس میں ہو اس سے محبت ہو جاتی ہے۔ یہاں کے عوام کو اگر پتہ چل جائے کہ فلاں گاؤں میں کبڈی ہو رہی ہے، بہار کے موسم میں، دو پہلوان لڑتے ہیں اور جو غالب آجائے تو اُسے کندھوں پر اٹھا کر بازاروں میں گھماتے پھرتے ہیں، پھولوں کے ہار ڈالتے ہیں کہ لوگوں کے خیال میں یہ ایک کمال کا مالک ہے یعنی بہادری کا

یہاں تک کہ بیٹیر بازجوا کیلئے بدبخت اکٹھے ہوتے ہیں۔ اور غالب آنے والے بٹیر کے لئے ہزاروں لوگ سردی کے باوجود جمع ہوتے ہیں۔ صرف یہ کہ ایک بٹیر نے دوسرے کو بھگا دیا چونکہ ایک کمال ہے۔ تو اس بٹیر سے محبت کی جاتی ہے۔

مسلمانوں کو امام ابوحنیفہؒ سے محبت ہے۔ امام بخاریؒ اور حضرت غوث الاعظمؒ سے محبت ہے۔ وجہ کیا ہے؟ ان میں کمال تھا ـــــ کسی میں ظاہری کمال ہوتا ہے کسی میں معنوی۔ امام بخاریؒ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث جمع کیں ان کی حفاظت کی اپنی جان حق کیلئے خرتنگ مقام میں قربان کردی مگر حق کو نہ چھوڑا۔ امام اعظم ابوحنیفہ جیل گئے حکومت نے زہر دیا مگر آپ نے حق بات نہ چھوڑی یہ ایک کمال تھا، علم کے جواہر لوگوں کے سامنے بکھیر دیے۔

حضرت پیران پیر شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کو لوگ ماں باپ سے زیادہ قابل احترام سمجھتے ہیں۔ ان کے لئے ایصال ثواب کراتے ہیں اور دعائیں کرتے ہیں جب کہ ماں باپ کو لوگ یاد نہیں کرتے۔ وجہ کیا ہے؟ کمال تھا ان میں۔ تقوٰی، زہد، علم عمل ـــــ تو کمال ظاہری ہو یا باطنی اس سے محبت کی جاتی ہے۔ اورنگ زیب عالمگیرؒ ہندوستان کے بادشاہ گذرے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ بارہ ہزار احادیث مع السند انہیں یاد تھیں۔ قرآن کریم حفظ تھا۔ علوم دینیہ پر کامل عبور تھا۔ کتنے بادشاہ گذرے ہیں مگر کسی کا نام بھی یاد نہیں۔ جب تک کرسی پر بیٹھا رہے لوگ جی حضور کرتے رہتے ہیں۔ اس کے فوٹو اخبارات میں چھپتے ہیں، اور جب کرسی سے ہٹ جاتے تو لوگ اسے ڈنڈے مارتے ہیں اور اس کی ذلت کے فوٹو چھاپنے لگتے ہیں۔ مگر اورنگ زیبؒ بخارا اور ہرات سے لیکر برما تک جس کی سلطنت تھی ہندوستان اور پاکستان سب اس میں شامل تھے ان کا نام لوگ محبت اور قدر و احترام سے لیتے ہیں۔ وجہ یہ کہ کمال تھا آن میں اتنی بڑی سلطنت کے باوجود فرض نماز تو کیا تہجد تک کبھی ناغہ نہ ہوئی۔ آج تو فرض تک کوئی نہیں پڑھتا۔ کبھی بیت المال سے تنخواہ نہ لی اس زمانہ میں چھاپہ خانے نہ تھے۔ قرآن مجید اپنے ہاتھوں سے لکھتے اس کے نقوش و کتابت کو ہدیہ کر دیتے ـــــ تلاوت کیلئے اجرت جائز نہیں مگر نقوش اور کاغذ کی خرید و فروخت جائز ہے ـــــ

عالمگیرؒ ہی کا مقولہ ہے کہ وہ شخص مسلمان نہیں جو نماز فجر کے بعد قرآن کریم کی تلاوت نہ کرے یہ تمہارے ملک کے حکمرانوں کی مثال ہے۔ مرتے دم تک تنخواہ نہ لی۔ کابل و ہرات سے لیکر آسام تک حکومت کی مگر اپنی کمائی کھائی اور وہ بھی قرآن لکھ کر کہ کمائی کے ساتھ قرآن کی اشاعت

بھی ہوتی رہے۔ وفات سے قبل وصیت کی کہ پانچسو روپیہ میرے ہاتھ کی کمائی کے باقی ہیں۔ میرے مرنے کے بعد اسے مساکین میں خیرات کر دیا جائے ـــــ تو ان میں تقوٰی، عدل اور انصاف کا کمال تھا جسکی وجہ سے ہر مسلمان ان کا نام محبت سے لیتا ہے۔ ارسطو اور بقراط اور ابو علی سینا بڑے باکمال لوگ گذرے ہیں۔ ان سے محبت بوجہ کمال علمی کے ہے۔ تو جو ذات منبع الکمالات ہے، اصلی محبت کی مستحق بھی وہی ہے۔ اگر تمہیں اولیاء سے محبت ہے علماء اور بزرگوں سے محبت ہے، دیندار بادشاہوں سے محبت ہے تو ٹھیک ہے خدا اسے اور بڑھا دے مگر ان میں یہ سب کمال بالتبع تھے کہ ان لوگوں کو خدا نے کمال دیا تھا۔ ہم نے امام اعظمؒ کو کبھی نہیں دیکھا، ان کا شہر کوفہ نہیں دیکھا۔ مگر طلبہ امام اعظمؒ پر جان دیتے ہیں ـــــ تو ان سب کے کمالات کا سرچشمہ اللہ ہے۔ ذرا سوچئے! جس ذات نے تمام عالم کو یہ کمالات بخشے ہیں اور کمالات کے اسباب اور منشاء دیا ہے اس میں خود کتنے کمالات ہوں گے۔؟ کیا وہ محبت کے لائق نہیں۔؟ ہے اور ضرور ہے۔

سائنس والوں کے کارنامے آج کل سائنس والوں کا بڑا چرچا ہے کہ بڑے بڑے کمالات دکھارہے ہیں، اور ہمارے انگریزی خواں حضرات ان سے بڑے متاثر ہیں اور ان کی تعریف کرتے ہیں جو محبت کی وجہ سے ہے۔ اور محبت بوجہ ان کے علمی کمالات کے ہے۔ ٹھیک ہے کہ جنہوں نے انجن بنایا، ایٹم بم بنایا، موٹر بنائی اور ہوائی جہاز تیار کیا۔ وہ کمال والے تھے۔ مگر سوچئے کہ کیا انہوں نے ان چیزوں کو پیدا کیا۔؟ نہیں بلکہ ان عناصر کو صرف ترتیب دی۔ انسان کچھ بھی نہیں بنا سکتا۔ انسان عناصر کا خالق نہیں ہے ـــــ لن یخلقوا ذبابا ولو اجتمعوا لہ مکھی تک کو روح نہیں دے سکتے　　تک کے خالق یہ سائنس دان نہیں بن سکتے۔ البتہ اتنا ہے کہ انسان پٹرول، المونیم، لوہا اور لکڑی وغیرہ کو ایک خاص ترتیب دے سکتا ہے۔ جیسا کہ کمہار نے مٹی اور پانی کو ملایا اسے کسی برتن کی شکل دی۔ یہ لوہا، یہ پیٹرول، یہ انجن، یہ ہوائی جہاز اور اس کا پیٹرول اور وہ فضا جس میں یہ اڑتا ہے، سب خدا کے پیدا کئے ہوئے ہیں ـــــ یہ خیال کریں کہ جس فلسفی یا سائنس دان نے ان اشیاء کو ایجاد کیا تو اس کے دماغ اور دل کو کس نے پیدا کیا۔ اور اس میں ان اشیاء کی خاص ترتیب کا علم کس نے ڈالا۔ انسان کی بنائی ہوئی ان چیزوں سے اسقدر تعجب کی کوئی بات نہیں۔ انسان نے تو آج ہوا میں اڑنا اور سمندر میں غوطہ لگانا سیکھا ہے۔ خداوند کریم نے لاکھوں سال پہلے مچھلیوں کو سمندر کی تہ میں غوطے لگانا اور سائنس کے اصولوں پہ پرندوں اور مکھیوں کو ہوا میں اڑنا سکھا دیا۔ واوحیٰ ربک الی النحل ان اتخذی من الجبال بیوتا ۔ خدا نے شہد کی مکھی کو الہام کیا کہ پہاڑوں میں اپنا گھر بنائے

اور وہ درواز پودوں اور پھولوں سے رس چوس کر شہد بنایا کریں نقشہ ان کے دماغ میں بٹھا دیا۔ تو سائنسدان کا دماغ خدا نے پیدا کیا اور نقشہ جسکے مطابق اشیاء کو یہ ترتیب دیتا ہے اسے بھی خدا نے پیدا کیا۔ تو سارا کمال درامل خدا کا ہے۔ تو اس منبع الکمالات سے لازماً محبت ہونی چاہیئے کہ کمال کی قدر کرنیکا یہی تقاضا ہے۔

محبت کا تیسرا سبب | تیسرا سبب محبت کا جمال اور حسن ہے۔ خوبصورت چیز سب کو پسند ہوتی ہے۔ اور یہ طبعی محبت ہے۔ شیخ سعدی علیہ الرحمۃ کی وفات کے بعد کسی نے انہیں خواب میں دیکھا اور دریافت کیا کہ خدا نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ فرمایا؟ انہوں نے جواب دیا کہ مرنے کے بعد میری کشتی گویا ڈوبنے لگی تھی میں گھبرایا کہ اب کیا ہوگا مگر خدا نے فضل کیا اور کہا کہ تو نے ایک شعر[1] کہا تھا جس کا مضمون یہ ہے ہر سبز پتے میں خدا کی بے حساب تدابیر اور حکمتوں کا ایک دفتر موجود ہے۔ اس کی سبزی، ترو تازگی اور رعنائی عجیب عجیب رنگ اسکی خاص نہج پر قطع بریدد دیکھ کر انسان حیران رہ جاتا ہے۔ کہ یا اللہ تو نے کیا کیا کاریگری اور صنعت کاری درخت کے اس پتے میں کی ہے۔ تو سعدیؒ نے کہا کہ اس ایک شعر کی بدولت خدا نے مجھے بخش دیا۔ تو جمال اور خوبصورتی بھی خدا کی دی ہوئی ہے۔ جس نے چاند اور سورج پیدا کیا وہ خود کتنا خوبصورت ہوگا۔ تو گویا جمال و حسن اس میں ہے، کمال اس میں ہے، احسانات اسکے ہیں۔ تو جس میں تینوں اسباب کامل اور بالذات موجود ہوں تو اس سے محبت کیوں نہ ہو۔ ہمارے اندر ایک چیز کی کمی ہے اور وہ یہ ہے کہ ہم خداوند کریم کے کمالات اور احسانات پر غور و فکر اور تدبر نہیں کرتے۔ اس غور و فکر اور تصور کو صوفیاء مراقبہ سے تعبیر کرتے ہیں۔ ضروری ہے کہ ہر شخص دن رات میں پانچ دس منٹ تنہائی میں خواہ رات کو سونے سے پہلے خواہ لحاف ہی میں کیوں نہ ہو، سوچا کرے کہ یا اللہ تیرے کتنے احسانات اور مہربانیاں ہیں۔ تو نے مجھے کیسی خوبصورت شکل دی، کان ناک اور آنکھیں دیں کیسی اچھی زبان دی کتنا اچھا کھانا پینا اور لباس و آرائش کا انتظام فرمایا۔ اگر تو مجھے کتا یا بلی بنا دیتا، گندا کیڑا بنا دیتا جو بول و براز میں پڑا رہتا ہے تو میں کیا کر سکتا تھا۔ پھر اس کے کمالات کا لحاظ کریں اور روزانہ یہ تصور کریں، مراقبہ کریں، احساس نعمت خداوندی کرتے رہیں تو جلد محبت پیدا ہو جائے گی۔ اس کو مراقبۂ احسانی کہتے ہیں۔ دوسری چیز محبت کیلئے دینداروں اور صلحاء کی صحبت ہے۔ اگر دیندار نہ مل سکیں تو ان کے مضامین اور حالات اور انکی کتابیں پڑھیں کہ ان لوگوں نے کیسی زندگی گذاری اگر آپ بدکردار کی رفاقت کریں گے تو بدعملی پیدا ہوگی۔ اور اہل اللہ کی صحبت سے محبت پیدا ہوگی۔ اور جب محبت پیدا ہو جائے تو جسطرح ہم اپنے لئے اور بیوی بچوں کے لئے گرمی اور سردی کی پرواہ نہیں کرتے، اسی طرح ہمیں خدا کی تابعداری میں بھی بوجھ محسوس نہ ہوگا۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

---

[1] برگ درختان سبز در نظر ہوشیار ہر ورقے دفتریست معرفت کردگار

جلسۂ دستار بندی

سلسلۂ تقاریر ۔۳

مرتبہ :۔ محمد عثمان غنی بی ۔ اے ۔ واہ کینٹ

دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کے جلسہ دستار بندی میں ۲ر اکتوبر ۱۹۹۶ء

کو یہ تقریر حضرت مولانا عبید اللہ انور صاحب نے ارشاد فرمائی

★

بزرگانِ محترم ، معزز حاضرین ، اساتذہ کرام و طلبائے عزیز !

اللہ تعالیٰ کے اس امتِ محمدیہ پر جو بے انتہا احسانات ہیں واقعہ یہ ہے کہ ان کی گنتی اور شمار بھی ناممکن ہے ۔ وَإِنْ تَعُدُّوا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوهَا ۔ میں کہتا ہوں اللہ تعالیٰ کا کتنا بڑا احسان ہے کہ انہوں نے ہمیں اشرف المخلوقات بنایا ۔ اگر مرغی بناتے ، مچھر بناتے ، تو ہم کیا کر سکتے تھے ۔

پھر آج دنیا میں دہریہ ہیں ، کمیونسٹ ہیں ، کئی کئی گمراہ ہیں ۔ اللہ کا شکر ہے کہ ہمیں اللہ نے مسلمان بنایا ۔

پھر کئی قسم کے گناہوں میں لوگ مبتلا ہیں ۔ اللہ کا شکر ہے کہ ہمیں اس نے اللہ والوں کے ساتھ وابستگی نصیب فرمائی ۔ قدرِ نعمت بعد از زوال ۔ شکر ، ذکر ، دعا یہ تین ہی تو قرآن کی اصل تعلیمات ہیں ۔ ہماری عبادات میں سے ذکر گیا تو شکر بھی چلا گیا ۔ تعلیم دین کی کمی ہے ۔ عام انسان نہ اللہ کو پہچانتے ہیں نہ اس کے دین کو اصلی علوم کو بھولے ہوئے ہیں اور دنیوی علوم کو رٹ لیتے ہیں ۔

وائے ناکامی متاعِ کارواں جاتا رہا

کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا

حضورؐ کی اتباع ہم پر فرض ہے ۔ علم ہی پر اللہ نے ہمیں فوقیت دی ۔ عظیم المرتبت صفت علم سے ہمیں نوازا گیا ۔ لیکن افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ آج بیس سال ہوگئے پاکستان بنے ہوئے دنیا کی قومیں چاند کو چھو رہی ہیں ، ستاروں پر کمندیں ڈال رہی ہیں ۔ اور ہمارے نوجوان آج تک رسول اللہ

کے مقام پیدائش سے بھی ناواقف ہیں۔

اپنے بزرگوں کے طفیل اللہ نے ہمیں حج نصیب فرمایا۔ آج لوگ لندن کی سیاحت تو کرتے ہیں مگر حج کو نہیں جاتے۔ سیرُوا فِی الاَرض۔ حج کیلئے اگر جائیں تو وہاں کالے، گورے، امیر غریب، مالکیہ شافعیہ، حنبلی، نقشبندی، سہروردی۔ وہاں سب جمع ہوتے ہیں۔ مختلف لباس پہننے والے چینی، جاپانی، انڈونیشی، ترک، تاتار، انڈین۔ سب ایک ہی قسم کا لباس کفن بردوش عرفات میں ایک ہی صدا بلند کرتے نظر آتے ہیں۔ لَبَّيْكَ اللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ، لَبَّيْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ لَبَّيْكَ، اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ، لَا شَرِيْكَ لَكَ۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ سب مردوں، عورتوں کا ایک ہی لباس ہے اور ایک ہی زبان ہے۔ مگر جونہی حج ختم ہوا، سب اپنے لباس میں پھر نظر آنے لگتے ہیں۔

اگر آپ امریکہ، فرانس، جرمنی، اٹلی کے حالات کی تحقیق کریں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کے بعد ہمارے علماء عرب نے حقیقی تصانیف کیں اور علوم پھیلائے لیکن افسوس کہ جو کل ہمارے شاگرد تھے وہ آج ہمارے استاد ہیں۔ علم اگر ہمارے دوست کے پاس ہے تب بھی اس کو حاصل کرنا چاہیے۔ اگر دشمن کے پاس ہے تب بھی یہ ہماری گم گشتہ متاع ہے۔ لیکن ہم نے یورپین نظام کی نقالی کی اور امریکہ کے نقش قدم پر چلے۔ اسلامی نظام سے ہم نے بے اعتنائی برتی۔ مسلمان اللہ کے دین کیلئے لڑتا ہے۔ مگر یورپ نے گذشتہ دونوں جنگیں تہذیب و تمدن کے نام پر لڑیں۔

آج مسلمان کہلانے والوں میں سے اکثریت کا کلمہ ہی درست نہیں ہے۔ میں نے ایک یونیورسٹی کے طلبہ سے مذاق کے طور پر کہہ دیا کہ جو نماز جنازہ یا دعائے قنوت سنا دے تو میں دس روپے انعام دوں گا۔ کوئی بھی نہ تھا جو سنا سکتا۔ ایک استاد نے کہا کہ میں ۲۰ سال سے استاد ہوں۔ سچ کہتا ہوں مجھے بھی دعائے قنوت اور نماز جنازہ میں فرق نہیں آتا ـــــ عید کی نماز کی تکبیریں ہو رہی ہوتی ہیں۔ اور مسلمان رکوع چلے جاتے ہیں۔

انگریز سے ہم نے کہا تھا ہمارا دین الگ ہے ہمارا تمدن الگ ہے۔ اس لئے ہمیں الگ خطہ حاصل ہونا چاہیے۔ لیکن جو ہم نے اس خطہ میں اپنے تمدن اور دین کی ترویج و اشاعت کیلئے کارہائے نمایاں سرانجام دیئے وہ اظہر من الشمس ہیں۔

آج دین پر ہی شک ہو رہا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث پر اعتقاد نہیں۔

صحابہؓ پر اعتراضات، خلفائے راشدین کی تعلیمات کو سکولوں کالجوں کے نصاب سے کھرچ کھرچ کر نکالا جا رہا ہے۔ کیا یہ مسلمانی کا دعویٰ کرنے والوں کو زیب دیتا ہے۔؟

ہم سائنس اور ٹیکنالوجی کے مخالف نہیں ہیں۔ ہم تو کہتے ہیں کہ ہماری قوم ہر شعبہ میں ترقی کرے مگر اس کے ساتھ ساتھ اللہ اور اس کے رسول کو نہ بھولے ؎

دین ہاتھ سے دے کر اگر آزاد ہو ملت

ہے ایسی تجارت میں مسلماں کا خسارہ ! اقبالؒ

شمس العلماء حضرت مولانا شمس الحق صاحب افغانی نے رات کتنا عمدہ خطاب فرمایا۔ کہ کہ اقوام عالم کی برادری میں اگر قانونِ اسلام کو رائج کیا جاتا تو سارے مسائل حل ہو جاتے۔ نہ نسلی امتیاز رہتا، نہ کالے گورے کی لڑائیاں ہوتیں، نہ کشت و خون ہوتے نہ دنیا بھوکی مرتی نہ روٹی روٹی کی صدائیں آتیں۔ انہوں نے صحیح فرمایا کہ ہمارے نمائندوں کو خوف آتا ہے کہ اگر ہم نے اسلام کی بات کہہ دی تو رجعت پسند کہلائیں گے۔

حضرت الاستاد مولانا عبدالحق صاحب مدظلہٗ کو خدا دن بدن غیبی امداد سے نوازے۔ اللہ تعالیٰ ان کے علوم و فیوض سے طلباء کو جرعہ نوشی کی توفیق عطا فرمائے اور دین کا چرچا اطراف و اکنافِ عالم میں کرتے پھریں۔ کل سے اتنا عظیم اجتماع ہوا ہے۔ سارے چہرے مشرّع مقطّع نظر آتے ہیں۔ کل ساری رات روحانی علم و عرفان کی بارش ہوتی رہی۔ جو آئے ہیں وہ سیراب ہو کر گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس مدرسہ کو تا قیامت قائم و دائم رکھے اور اس کے معاونین کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین

افادات حکیم الامت حضرت شاہ ولی اللہ الدہلویؒ

ترتیب و تشریح: مولانا عبدالحمید سواتی نصرۃ العلوم گوجرانوالہ

اسلام میں حلال و حرام کا تشریعی فلسفہ

قسط ثانی

گذشتہ سے پیوستہ

مُرغ ـــــ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ نے مرغ کا گوشت کھایا۔ اور مرغ کے مانند ہی بطخ اور مرغابی کا گوشت بھی ہے۔ ان کا گوشت طیبات میں سے ہے۔ جن کو اللہ تعالیٰ نے حلال قرار دیا ہے۔ (ویحل لہم الطیبات ویحرم علیہم الخبائث) اور مرغ کو یہ بھی فضیلت حاصل ہے کہ جب وہ فرشتہ کو دیکھتا ہے تو بانگ دیتا ہے۔ جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

کتّا اور بلّی ـــــ یہ دونو جانور حرام قرار دئے گئے ہیں کیونکہ یہ سباع (درندہ جانوروں میں سے) ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے درندہ جانوروں کا کھانا حرام قرار دیا ہے۔ اور اس کے علاوہ کتا شیطان کے ساتھ مناسبت رکھتا ہے۔ (یعنی اس میں بعض شیطانی اوصاف پائے جاتے ہیں، مثلاً حرص و آز اور ہر چیز کو سونگھتے پھرنا، شہوت بطن اور شرمگاہ کی شہوت میں ہمہ وقت مستغرق رہتا ہے اور راہ گیروں کو ایذا پہنچانا مزید برآں ہے۔ بعض اوصاف کتّے میں اچھے بھی ہیں۔ اس لئے شریعت نے بعض حالات میں کتّے کو رکھنے کی اجازت بھی دی ہے۔ شر محض تو کوئی چیز بھی نہیں مگر حکم اوصاف غالبہ پر لگایا جاتا ہے۔)

دوسری قسم وحشی جانوروں کی ہے ان میں سے وہ جانور حلال قرار دئے گئے ہیں جو مویشیوں (بہیمۃ الانعام) کے ساتھ نام اور صفت میں مشابہت رکھتے ہیں۔ جیسے ہرن، نیل گائے اور شتر مرغ وغیرہ صحیح حدیث میں آیا ہے۔ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مبارک میں گورخر (جنگلی گدھا) کا گوشت پیش کیا گیا تو آپ نے

سے تناول فرمایا۔ اور خرگوش کا گوشت بھی آپ کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ آپ نے اسے بھی قبول فرمایا اور آپ کے دستر خوان پر گوہ کھایا گیا۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں کہ اصل بات یہ ہے کہ عرب کے لوگ اس قسم کی چیزوں کو پاکیزہ خیال کرتے تھے۔ اور اس بنا پر وہ لوگ گوہ کے کھانے سے گریز نہیں کرتے تھے۔ البتہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے نہیں کھایا اور اس کے متعلق کبھی تو آپ نے یہ فرمایا کہ (گوہ) میری قوم (قریش) کی سرزمین میں نہیں تھا۔ اس لئے میں اسے ناپسند کرتا ہوں اور کبھی آپ نے فرمایا کہ اس کی شکل پر بعض قوموں کو مسخ کیا گیا تھا۔ اس لئے آپ نے اس کے کھانے سے منع فرما دیا۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک دونوں باتوں میں تناقض وتضاد نہیں — کیونکہ گوہ میں بیک وقت دونوں باتیں پائی جاتی ہیں۔ اور ان میں سے ہر ایک بات اس کے متعلق عذر بن سکتی ہے۔ یعنی جن لوگوں نے اسے کھایا۔ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نہ کھانے کو طبعی کراہت پر محمول کیا ہے، شرعی کراہت پر محمول نہیں کیا۔ اس لئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مولد ومنشاء کے مقام (مکہ مکرمہ) میں گوہ نہیں پایا جاتا تھا۔ اس لئے آپ اس سے مانوس نہیں تھے۔ اور اسکو کھانا ناپسند فرماتے تھے۔ لیکن آپ کے سامنے اس کو کھایا گیا تو آپ نے قطعی اور حتمی طور پر منع بھی نہیں فرمایا۔ اور جن لوگوں نے اسے نہیں کھایا انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نہ کھانے کو شدید کراہت پر محمول فرمایا ہے۔ کیونکہ مسوخ جانور ہے اور ظاہر ہے کہ ایسا جانور ملعون ہوگا — لیکن شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں۔ کہ ایک چیز کا احتمال کی بنا پر ترک کر دینا یہ ورع وتقویٰ کا درجہ رکھتا ہے۔ اس کو تحریم پر محمول نہیں کیا جا سکتا۔ لہذا نہی تنزیہہ مراد ہوگی (لیکن حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ نے نہی کو نہی تحریمی پر محمول کیا ہے۔ اور ان کا استدلال یہ ہے کہ کھانے کی اجازت پہلے تھی، بعد میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے کھانے سے منع فرما دیا۔ جیسا کہ ابو داؤد شریف کی روایت میں ہے۔ نیز ایک صحیح روایت میں یہ بھی آیا ہے۔ کہ ام المؤمنین عائشہ صدیقہؓ نے پکا ہوا گوہ کسی سائل کو دینا چاہا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرما کر منع کر دیا کہ جس چیز کو تو خود نہیں کھاتی اسکو سائل کو کیسے دینا گوارا کرتی ہو۔ بہر حال اس کا مکروہ تحریمی ہونا زیادہ راجح معلوم ہوتا ہے۔

درندہ جانوروں کی حرمت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے درندہ جانوروں کے گوشت سے منع فرمایا ہے جو کچلیوں (دانتوں) سے نوچ کر شکار کرتے ہیں۔ کیونکہ ایسے جانوروں کی طبیعتیں اعتدال سے نکلی ہوئی ہوتی ہیں۔ اور ان کے اخلاق میں سختی اور درشتگی ہوتی ہے اور ان میں سنگدلی بھی پائی جاتی ہے۔ لہذا ان کا گوشت کھانے سے انسان کے مزاج میں بد اخلاقی اور درشتگی سنگدلی کا پیدا ہونا لازمی ہے۔ اور پرندوں میں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے پرندوں کا گوشت حلال قرار دیا ہے جو پاکیزہ ہیں،

اور انسانوں کے نزدیک مرغوب ہیں جیسا کبوتر، چڑیا وغیرہ۔

اور ایسے پرندوں کے گوشت کھانے سے منع فرمایا جو پنجہ مار کر شکار کرتے ہیں (باز، شکرہ شاہین، چیل وغیرہ) کیونکہ ان میں سے بعض تو موذی قسم کے جانور ہیں۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو فاسق (ایذا رساں) فرمایا ہے، تو ایسے جانوروں کا گوشت کھانا یقیناً انسان کی روحانی صحت کے منافی ہوگا۔ اور ایسے پرندے جو مردار اور نجاست کھاتے ہیں ان کا گوشت کھانا بھی مکروہ قرار دیا گیا ہے۔ اور تمام ایسے پرندے اور جانور جن کو عرب کے لوگ اپنی سلامتی طبع سے خبیث اور گندہ خیال کرتے تھے ایسے جانوروں کا کھانا ناجائز ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ صفت قرآن کریم میں بیان فرمائی ہے۔ (یحل لہم الطیبات ویحرم علیہم الخبائث) اور آپ پاکیزہ چیزوں کو ان لوگوں کیلئے حلال قرار دیتے ہیں اور گندی اور خبیث چیزوں کو حرام قرار دیتے ہیں۔ یہ پیشین گوئی تورات و انجیل میں کی گئی ہے۔ اور ٹڈی دل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں کھایا جاتا تھا اور اہل عرب اسکو پاکیزہ خیال کرتے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو حلال قرار دیا ہے۔

بحری جانور اور جانوروں کی قسموں میں ایک قسم بحری جانوروں کی بھی ہے۔ اس قسم میں اہل عرب جسکو پاکیزہ خیال کرتے تھے جیسا مچھلی اور عنبر (مچھلی کی ایک قسم وہیل مچھلی) وہ حلال ہے۔ چنانچہ مچھلی کی تمام اقسام حلال قرار دی گئی ہیں۔ البتہ ایسی مچھلی جو خود بخود پانی میں مر کر سطح پانی پر الٹی تیرتی ہے (طافی) اس کے کھانے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے۔ کیونکہ اس کے جسم میں خبیث قسم کا زہریلا مادہ پیدا ہو جاتا ہے۔ اور ایسی مچھلی کے کھانے سے مہلک امراض کے پیدا ہونے کا خطرہ ہے مچھلی کے علاوہ پانی میں رہنے والے ایسے جانور جن کو اہل عرب خبیث اور گندہ خیال کرتے تھے۔ اور جنکا نام خشکی کے حرام جانوروں کے نام پر رکھا جاتا ہے۔ جیسا کہ بحری کتا، بحری خنزیر وغیرہ۔ تو چونکہ اس بارہ میں دلائل باہم متعارض ہیں۔ (بعض فقہاء نے ایسے جانوروں کو حلال قرار دیا اور بعض نے ناجائز) اس لئے ایسے جانوروں کے گوشت کھانے سے بچنا ہی بہتر ہے۔

طیب و خبیث (پاک و ناپاک) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ جس گھی میں مرا ہوا چوہا پایا گیا ہو اس کے بارہ میں کیا حکم ہے؟ تو آپ نے فرمایا چوہے کو اور اس کے اردگرد لگے ہوئے گھی کو پھینک دو اور باقی حصہ کو استعمال کرو اور ایک روایت میں اس طرح تفصیل کے ساتھ بیان ہوا ہے۔ کہ جب چوہا گھی میں گر پڑے تو اگر گھی جامد (منجمد) ہے تو اس کے اردگرد لگے ہوئے گھی کو پھینک دو اور اگر گھی سیال یعنی پگھلا ہوا ہو تو اس کے قریب نہ جاؤ۔ یعنی اسے مت استعمال

کو یہ سب ناپاک ہوگا۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں کہ مردار۔ اور جس چیز پر اس کا اثر ہو ایسی چیزیں تمام ادیان و اقوام میں خبیث و ناپاک سمجھی جاتی ہیں۔ اور جب ناپاک حصہ کو الگ کر لیا جائے تو جو حصہ باقی ہوگا وہ قابلِ استعمال ہوگا اور اگر پاک و ناپاک میں تمیز ممکن نہ ہو جیسا سیال کی صورت میں تو پھر سب ہی حرام ہو جائے گا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث پاک نے اس بات کو ثابت کر دیا ہے کہ ہر ایسی چیز جو ناپاک ہو یا ناپاک چیز کے ساتھ مل جائے تو ایسی چیز حرام ہے۔

غلاظت خور جانور کا حکم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جلالہ (غلاظت خور جانور گائے، بکری، اونٹنی وغیرہ) کے گوشت اور دودھ سے منع فرمایا ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں کہ اس ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ ایسے جانور کے رگ و ریشہ اور تمام اعضاء بدن میں نجاست سرایت کر جاتی ہے۔ اور تمام اعضاء میں پھیل جاتی ہے۔ اس لئے ایسے جانور کا حکم وہی ہوگا۔ جو نجاست کا حکم ہے یا اسکا حکم اس جانور جیسا ہوگا جو نجاست پر زندگی بسر کرتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہے کہ ہمارے لئے دو قسم کے مردار اور دو قسم کے خون حلال قرار دئے گئے ہیں۔ مردار سے مراد مچھلی اور ٹڈی دل ہے اور خون سے مراد جگر اور تلی ہے۔ شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں کہ اصل میں جگر اور تلی تو جانور کے جسم کے اعضاء میں سے ہیں۔ لیکن ان کی مشابہت خون کے ساتھ ہوتی ہے۔ کیونکہ جگر میں خون تیار ہوتا ہے اور تلی میں جمع ہوتا ہے۔ اس قرب و تلبس کی بناء پر ان کو خون کہا گیا ہے۔ تمام جسم کی ساخت سے بھی انکی ساخت قدرے مختلف ہوتی ہے یہ دونوں اعضاء ایک خون نما لوتھڑے کی شکل میں ہوتے ہیں۔ اس لئے ان کو مجازاً خون کہا گیا ہے۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شبہ کو دور فرمایا کہ کہیں ان کو دم مسفوح کے حکم میں نہ سمجھ لیا جائے۔ اور مچھلی اور ٹڈی دل کو مردار کہنا اس بنا پر ہے کہ ایک تو ان کے جسم میں دم مسفوح نہیں ہوتا، اس لئے ان میں ذبح نہیں مشروع قرار دی گئی۔ ان کا شکار کرنا اور مارنا ہی ذبح کے قائم مقام ہے۔ اس لئے ان پر بھی مجازاً میت کا اطلاق کیا گیا ہے۔

کورکرے اور چھپکلیاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وزغ (کورکرے، چھپکلیاں) کو قتل کرنے کا حکم دیا ہے۔ اور ان کو موذی (فاسق) بتلایا ہے۔ اور یہ بھی فرمایا کہ یہ ابراہیم علیہ السلام کے لئے جلائی ہوئی آگ میں پھونک مارتا تھا۔ جیسا کہ صحیح احادیث میں آیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ جو شخص اس کو پہلی ضرب سے مارے گا۔ اس کو سو نیکیاں حاصل ہوں گی۔ دوسری اور تیسری ضرب سے اس سے کم نیکیاں ملیں گی (مسلم) حضرت شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں کہ اس کا فلسفہ یہ ہے کہ بعض جانور پیدائشی طور پر ایسے ہوتے ہیں جن سے ایسے افعال و حرکات سرزد ہوتے ہیں جو شیطان کے ساتھ مناسبت رکھتے ہیں

اور ان جانوروں کو شیطان کے ساتھ قرب اور خاص مشابہت ہوتی ہے۔ اور یہ شیطانی وسوسوں کو زیادہ قبول کرتے ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بھی معلوم ہوا کہ چھپکلی (وزغ) بھی ان جانوروں میں سے ہے۔ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے کافروں نے جو آگ جلائی تھی اس میں یہ پھونکتی تھی۔ کیونکہ اسکی طبیعت وسوسہ شیطانی کو قبول کرنے کیلئے زیادہ آمادہ رہتی ہے۔ اگرچہ اس کے پھونکنے نے کچھ فائدہ نہ دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو قتل کرنے کی جو ترغیب دی ہے اسکی دو وجوہات ہیں۔ ایک وجہ یہ ہے کہ اس کے قتل کرنے سے نوع انسانی سے موذی چیزوں کو دفع کرنا ہے۔ اور اس کا قتل کرنا بالکل ایسا ہے، جیساکہ زہریلے اور خار دار درختوں کو کاٹنا یا کسی ایسی ایذا رساں چیز کو راستے سے ہٹا دینا، اس کا مقصد بھی بنی نوع انسان سے اذیت اور تکلیف کو دور کرنا ہوتا ہے۔ (بعض اطباء نے اپنا تجربہ بیان کیا ہے کہ چھپکلی جب نمک کو دیکھتی ہے تو اس میں لوٹ پوٹ ہو جاتی ہے اور ایسا نمک جب کھانے میں آتا ہے تو انسان کے جسم میں برص جیسی خطرناک بیماریاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ اس لئے ایسے موذی جانور کو قتل کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ تاکہ انسانوں کو پراگندگی اور پریشانی سے بچایا جائے۔) اور دوسری وجہ یہ ہے کہ اس کے قتل کرنے میں شیطان کے لشکر کو شکست دینا ہے۔ اور شیطانی وسوسہ کے گھونسلہ (مرکز) کو توڑنا ہے۔ اور یہ چیز اللہ تعالیٰ اور ملائکہ مقربین کے نزدیک پسندیدہ ہے۔ باقی رہا پہلی ضرب سے قتل کرنے کی صورت میں ثواب کا زیادہ ہونا۔ تو اس کا فلسفہ یہ ہے کہ یہ مہارت اور حذاقت پر دلالت کرتا ہے اور اس میں نیکی اور خیر کی طرف سبقت اور سرعت سے اقدام کرنا ہے۔ اور سبقت الی الخیر ایک پسندیدہ فعل ہے۔

مردار (میّت) کی حرمت کا فلسفہ حضرت شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں: قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے کا ارشاد ہے:

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيرِ وَمَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللَّهِ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيحَةُ وَمَا أَكَلَ السَّبُعُ إِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ وَأَنْ تَسْتَقْسِمُوا بِالْأَزْلَامِ ذَٰلِكُمْ فِسْقٌ. (مائدہ)

تم پر حرام قرار دیا گیا ہے مردار، خون، خنزیر کا گوشت اور وہ چیز جس پر اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کا نام لیا گیا ہے، (نذر لغیر اللہ) اور گلا گھونٹ کر مارا ہوا جانور چوٹ لگا کر مارا ہوا جانور، اوپر سے نیچے گر کر مرنے والا جانور اور جسکو دوسرے جانور نے سینگ مار کر ہلاک کر دیا ہو اور جسکو درندوں نے چیر پھاڑ کر ہلاک کر دیا ہو، البتہ ان میں سے جس جانور کو مرنے سے پہلے تم ذبح کر لو تو وہ حلال ہو گا۔ اور وہ جانور بھی حرام قرار دیا گیا ہے جس کو کسی تکیہ یا تھان

بھینٹ چڑھایا گیا ہو۔ اور تم پر یہ بھی حرام قرار دیا گیا ہے کہ تیروں کے ساتھ جوا کھیلو یا قسمت معلوم کرو، یہ فسق اور معصیت ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں: مردار اور خون کی حرمت کا فلسفہ یہ ہے کہ یہ چیزیں ناپاک اور نجس ہیں۔ اس لئے ان کا کھانا پینا حرام قرار دیا گیا ہے۔ (مردار کے کھانے سے نشاط اور چستی ختم ہو جاتی ہے اور خون کے استعمال سے قساوت قلبی اور سنگدلی پیدا ہو جاتی ہے۔ مردار خوار جانوروں میں تجربہ سے اسکا مشاہدہ کیا جا سکتا ہے۔) خنزیر اس لئے حرام ہے کہ اس کی صورت پر بعض مغضوب اور ملعون قوموں کو مسخ کیا گیا ہے (نیز یہ غلاظت کھانے والا جانور ہے۔ اور اس میں ایک ایسی خصلت پائی جاتی ہے جو فطرتِ انسانیہ کے منافی ہے (اشتراک فی الموطوۃ) اسی وجہ سے خنزیر کا گوشت کھانے والی قومیں انتہائی درجہ کی بے حیا ہوتی ہیں۔) اور ما اہل لغیر اللہ (نذر لغیر اللہ) اور ما ذبح علی النصب (تھان وغیرہ ذبح کئے ہوئے جانور) سے اس لئے منع کیا گیا ہے کہ اس سے شرک کی جڑ کاٹنی مقصود ہے۔ اور اسکی حرمت کی دوسری وجہ یہ ہے کہ فعل قبیح کی خباثت و قباحت مفعول میں بھی سرایت کرتی ہے

ذبح کی شرط ضروری ہے۔ | گلا گھونٹ کر مارا ہوا اور نیچے گر کر مرنے والا اور سینگ سے مار کر ہلاک کیا ہوا اور درندوں نے جس کو کھا لیا ہو ان کو اس لئے حرام قرار دیا گیا ہے کہ ذبح کا مشروع طریقہ جسکی وجہ سے مذبوح جانور حلال ہوتا ہے۔ اور اس کا گوشت پاک ہوتا ہے وہ یہاں نہیں پایا گیا۔ اور ذبح کا طریقہ شریعت میں اسطرح مقرر کیا گیا ہے کہ جانور کو گلے اور سینے کے بالائی حصّہ (لبّہ) کے درمیان ذبح کیا جائے اور اس کا خون تیز آلہ سے اسکی رگوں کو کاٹ کر بہا دیا جائے۔ شریعت میں مذبوح کے پاک ہونے کی یہی صورت مقرر کی گئی ہے اب اگر یہ شرط نہ پائی گئی تو ایسے جانور حرام ہوں گے اور دم مسفوح تمام جسم میں پھیل جائے گا اور سارا جسم ناپاک ہو جائے گا اور ناپاک چیز کا کھانا حرام ہے۔ الا ما ذکیتم۔ یعنی جس جانور پر اس قسم کے واقعات گزرے ہوں، اور تم اس جانور کو ایسی حالت میں پالو کہ اسکی جان نہ نکلی ہو اور تم اسے ذبح کر لو تو وہ حلال ہے۔ کیونکہ یہ بات ثابت ہو گئی کہ ذبح کرنے سے ہی اسکی جان نکلی ہے نہ کہ حادثہ سے۔

جانور کو روک کر نشانہ بنانے سے منع کیا گیا ہے | آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا کہ کسی زندہ جانور کو نشانہ بنا کر اس پر تیر اندازی کی مشق کی جائے۔ اور اسطرح اس کو مارا جائے۔ ایسے جانور اگر اسطرح مر جائے تو وہ مردار ہو گا جس کا کھانا حرام ہے۔ لیکن اگر اسطرح تیر اندازی کرنے سے وہ مرا نہیں اور ذبح کر دیا گیا تو فقہائے کرامؒ ایسے جانور کے کھانے کو بھی مکروہ فرماتے ہیں کیونکہ تیر اندازی

سے اس کے جسم میں ذبح کے وقت کمزور ہو جانے کے باعث خون بہت کم خارج ہو گا۔ اور دوسرا یہ فعل بھی بہت ظالمانہ ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں کہ اہل جاہلیت کسی جانور کو ایک جگہ باندھ کر پھر اسے تیروں کا نشانہ بناتے تھے۔ ایسے جانور کو مصبورۃ یا مجثمہ کہا جاتا ہے۔ نیز یہ اس لئے بھی حرام ہوتا ہے۔ کہ یہ جانور اذیت کے ساتھ حرام موت مرجاتا ہے۔ اس سے اللہ تعالیٰ کا تقرب نہ حاصل ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کیلئے اسکو قربان کیا جاتا۔ اور نہ اللہ تعالیٰ کی نعمت کا شکریہ اس کے ذریعہ ادا کیا گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "اللہ تعالیٰ نے ہر چیز پر رحم واحسان فرض قرار دیا ہے۔ تم اگر کسی چیز کو قتل کرتے ہو تو احسان کے ساتھ قتل کرو۔ اور اگر تم جانور کو ذبح کرو تو ذبیحہ کو احسان کے ساتھ ذبح کرو۔ ہر شخص کو چاہیئے کہ ذبح کیلئے اپنی چھری کو تیز کرے اپنے ذبیحہ کو راحت پہنچائے"۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں کہ جانور کو ذبح کرنے کیلئے جان نکالنے کا آسان طریقہ اختیار کرنا اس داعیہ رحم کا اتباع ہے۔ نرمی ولطف کا اظہار ہے۔ اور یہ ایک ایسا وصف ہے جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہے۔ اور نیز اس پر بہت سی منزلی اور شہری مصلحتوں کا انحصار ہے۔

زندہ جانور کے جسم سے کوئی حصہ جدا کرنا حرام ہے اور وہ مردار ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس جانور کے جسم سے کوئی حصہ کاٹ کر جدا کیا گیا وہ مردار ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں کہ اہل عرب اونٹ کے کوہان اور دنبوں کی چکیاں کاٹ لیتے تھے اور ظاہر ہے کہ اس میں جانور کو سخت اذیت ہوتی ہے۔ اور یہ کام اس کے بالکل متناقض ہے۔ جو اللہ تعالیٰ نے ذبح کے سلسلہ میں مقرر فرمایا ہے۔ اس لئے آپ نے اس سے قطعی طور پر منع فرمایا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص کسی چڑیا یا اس سے کسی بڑے یا چھوٹے جانور کو ناحق مارے گا، اللہ تعالیٰ اس سے بازپرس کرے گا۔ کسی نے عرض کیا یا رسول اللہ اس کا حق کیا ہے تو آپ نے فرمایا کہ اس کا حق یہ ہے کہ اُسے ذبح کیا جائے اور اسے کھائے۔ اور ایسا نہ کرے کہ اس کے سر کو کاٹ کر پھینک دے۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں کہ یہاں دو قسم کی باتیں ہیں جن میں اشتباہ وابہام ہے ہر ایک بات کا تعین کرنا اور اس اشتباہ وابہام کو رفع کرنا اور ان میں امتیاز کرنا ضروری ہے۔

۱۔ ایک بات یہ ہے کہ جانور کو ذبح کرنا ضرورت کے لئے ہونا چاہیئے اور نوع انسانی کی مصلحت کے قائم کرنے کے داعیہ ہو۔

۲۔ دوسری بات یہ ہے کہ بلا ضرورت کسی جانور کو تباہ کرنا اور زمین میں فساد کرنا یہ سنگدلی اور

قساوت قلبی ہے۔

شکار کے احکام | حضرت امام ولی اللہؒ فرماتے ہیں کہ شکار اہل عرب کی عام عادت تھی۔
اور اس کا رواج عام تھا۔ حتی کہ یہ شکار ان کے پیشوں (مکاسب) میں سے اہم پیشہ تھا۔ جس پر انکی معاش کا مدار تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے شکار کو مباح قرار دیا۔ لیکن شکار کی کثرت کے نقصانات بھی ساتھ ساتھ بیان فرمادئے۔ اور آپ نے فرمایا کہ جو شخص شکار کے پیچھے پڑے گا تو وہ غفلت میں مبتلا ہوگا۔ شکار کے احکام کی بنیاد اس پر ہے کہ شکار اپنی تمام شرائط اور صورتوں میں ذبح پر محمول ہے یعنی شکار کی ہر صورت میں ذبح کرنا لازم اور ضروری ہے، بجز ایسی صورتوں کے کہ جن میں مشروع طریقہ پر ذبح کرنا دشوار ہو اور ایسی صورت میں اگر ذبح مشروع کو ضروری قرار دیا جائے تو شکاریوں کی سعی وکوشش بار آور نہ ہوسکے گی، چنانچہ اسی بنا پر شکار کرنے والے جانور کو شکار پر چھوڑتے وقت یا تیر چلاتے وقت اللہ تعالیٰ کا نام لینا ضروری ہوگا۔ البتہ ذبح اور حلق اور لبہ شرط نہ ہوگا۔ اسی کو فقہاء ذبح اضطراری کہتے ہیں۔ اور اس کے علاوہ شکار کے احکام شکار کے ذاتیات پر بھی مبنی ہیں۔ مثلاً یہ کہ آیا شکار کرنے والا جانور سدھایا ہوا (معلم) ہے اور پھر اسکو قصداً شکار پر چھوڑا گیا ہے۔ اگر سدھایا ہوا جانور نہیں تو اس شکار کی حیثیت اتفاقی طور پر ہوگی۔ اور شکار کے احکام شکاری جانور کی ذاتی اہلیت پر بھی مبنی ہوں گے۔ مثلاً یہ کہ اس شکاری جانور نے اس شکار میں سے کھایا نہ ہو۔ اگر اس نے کھا لیا ہو تو اگر وہ شکار زندہ پایا گیا اور ذبح کر لیا گیا تو حلال ہوگا۔ ورنہ وہ مردار اور حرام ہوگا۔ اور یہی فرق ہوگا ایک سدھائے ہوئے جانور کے شکار کرنے میں اور ایک درندہ کے کھا جانے میں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے شکار اور ذبح کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے اسی اصول پر جواب دیا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی نے یہ سوال کیا کہ ہم اہل کتاب کی سرزمین میں رہتے ہیں۔ کیا ہم ان کے برتنوں میں کھا لیا کریں یا نہ؟ اور آپ سے یہ بھی دریافت کیا گیا کہ میں اپنی کمان کے ساتھ اور اپنے سدھائے ہوئے کتے اور بے سدھائے ہوئے کتے دونوں کے ساتھ شکار کرتا ہوں۔ تو ارشاد ہو کہ میرے لئے کونسی صورت جائز ہوگی۔ اور کونسی ناجائز تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ تم نے جو اہل کتاب کے برتنوں کے بارہ میں پوچھا ہے تو اگر ان برتنوں کے علاوہ تمہیں دوسرے برتن مل سکتے ہوں تو پھر ان میں نہ کھاؤ اور اگر دوسرے برتن میسر نہ آسکتے ہوں تو ان کو دھو کر استعمال کر لیا کرو۔ اور جو شکار تم نے اپنی کمان کے ساتھ کیا ہو اور اس پر تم نے اللہ کا نام لیا ہو تو اسکو کھاؤ اور جس سدھائے ہوئے کتے سے

تم نے شکار کیا ہو اور اسکو شکار پر چھوڑتے وقت اللہ کا نام لیا ہو تو اس کو کھا سکتے ہو۔ اور جو تم نے بے سدھائے ہوئے کتے سے شکار کیا ہو تو اگر اس کو زندہ حالت میں پالیا اور ذبح کر لیا تو اسکو کھاؤ۔

امام ولی اللہؒ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو یہ فرمایا کہ ان برتنوں کے علاوہ دوسرے برتن تمہیں مل جائیں تو اہل کتاب کے برتن نہ استعمال کرو اس کا فلسفہ اور حکمت یہ ہے کہ اس میں اعلیٰ اور برتر چیز کو اختیار کرنے کی تعلیم دی ہے اور یہ کہ دل کو وساوس سے راحت اور نجات مل جائے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ یا رسول اللہ ہم سدھائے ہوئے کتے شکار پر چھوڑتے ہیں۔ آپ کیا فرماتے ہیں، اس کے متعلق آپ نے جواب میں فرمایا کہ جب تم اپنے سدھائے ہوئے کتے کو شکار پر چھوڑ دو تو اللہ تعالیٰ کا نام لیکر (بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر) چھوڑا کرو۔ اگر وہ کتا شکار کو تمہارے لئے پکڑ لائے اور تم اسے زندہ پالو تو اس کو ذبح کرو۔ اور اگر تم نے اسکو ایسی حالت میں پایا کہ وہ شکار اس نے قتل کر دیا ہے۔ اور خود اس کتے نے اس میں سے نہیں کھایا۔ تو تم اس کو کھا سکتے ہو اگر اس نے اس میں سے کھا لیا ہے تو تم اس کو نہ کھاؤ کیونکہ وہ تو اس نے اپنے لئے شکار کو پکڑا ہے اور اگر تم نے اپنے کتے کے ساتھ دوسرے کتے کو پایا۔ اس حالت میں کہ شکار کو قتل کر دیا گیا ہے تو تم اس کو نہ کھاؤ کیونکہ تم نہیں جانتے ان دونوں میں سے کسی نے اس شکار کو قتل کیا ہے۔ کیونکہ اس صورت میں اگر بے سدھائے ہوئے کتے نے قتل کیا ہے تو پھر بھی وہ شکار مردار ہوگا اور اگر دوسرے کتے پر بسم اللہ نہیں کہہ کر چھوڑا گیا تو پھر بھی حلال ہونے کی شرط نہ پائی گئی۔ حضرت عدی بن حاتمؓ کی روایت میں آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ تم نے اللہ تعالیٰ کا نام اپنے کتے پر لیا ہے دوسرے پر نہیں لیا۔ اس لئے ایسی صورت میں شکار مردار ہوگا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی شخص نے دریافت کیا کہ حضورؐ میں شکار پر تیر پھینکتا ہوں اور دوسرے دن اس شکار میں تیر پھنسا ہوا دیکھتا ہوں۔ اس کے متعلق کیا ارشاد ہے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر شکار تم سے غائب ہو جائے اور پھر تمہیں معلوم ہو کہ یہ تمہارے تیر نے قتل کیا ہے۔ اور اس میں کسی درندہ وغیرہ کا اثر نہ ہو تو تم ایسے شکار کو کھا سکتے ہو اور ایک دوسری روایت میں یہ بھی ہے کہ جب تم تیر پھینکو تو اس پر اللہ تعالیٰ کا نام لو۔ پھر اگر وہ شکار تم سے دن بھر غائب ہو جائے اور پھر تم اسے اسی طرح پاؤ کہ تمہارے تیر کے سوا اس میں کسی اور چیز کا اثر نہ ہو تو تم اس شکار کو کھا سکتے ہو۔ اور اگر تم اسکو ایسی حالت میں پاؤ کہ وہ پانی میں ڈوبا ہوا ہے۔ تو تم اسکو مت کھاؤ۔ ظاہر ہے کہ اس وقت اسکی موت کو بالیقین تیر کیطرف نہیں منسوب کیا جا سکتا بلکہ ممکن ہے کہ پانی میں ڈوبنے کی وجہ سے یا کسی چیز کے ساتھ ٹکرا کر مر گیا ہو تو ایسی صورت میں وہ مردار ہوگا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ حضور ہم معراض (بے پر و بیکان تیر یعنی جس کے ساتھ بھالا ہو اور اس کے ساتھ پر نہ ہو) کو پھینک

کر شکار کرتے ہیں. اس کا کیا حکم ہے.؟ آپ نے فرمایا اگر اس نے شکار کو اپنی تیزی کی وجہ سے (جیسا کہ لوکدار چیزوں میں ہوتا ہے) چیر پھاڑ کر قتل کیا ہے تو تم اسے کھا سکتے ہو اس کا گوشت حلال ہے اور اگر اس نے اپنی چوڑائی (چپٹے حصے) سے ضرب اور ٹھوکر لگاکر شکار کو قتل کیا ہے تو تم اسے مت کھاؤ کیونکہ یہ موقوذہ (چوٹ لگاکر مارا ہوا ہے) اور ایسا جانور بجز ذبح کرنے کے حلال نہیں ہوتا۔ (اسی طرح بندوق یا غلیل سے مارا ہوا شکار بھی اسی حکم میں ہے. یعنی موقوذ و قیذ کے حکم میں. کیونکہ بندوق بھی شکار کو اپنے دباؤ (فورس FORCE) سے قتل کرتی ہے. تیز نوکدار ہونے کی وجہ سے نہیں ایسی صورت میں ذبح کے بغیر یہ مردار ہوگا. مفتی محمد عبدہ مرحوم اور سید رشید رضا مرحوم اور مودودی صاحب اور بعض دوسرے لوگوں کا فتویٰ کہ بندوق کا شکار بے ذبح کے حلال ہے تحقیق کے خلاف ہے اور قابل اعتماد نہیں جمہور فقہا اور محققین اس کے خلاف ہیں.

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سائل نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ہمارے پاس ایسے نو مسلم لوگ گوشت لاتے ہیں جو نئے نئے شرک و کفر سے باہر ہوتے ہیں. ہمیں کچھ معلوم نہیں کہ انہوں نے ذبح کے وقت اس پر اللہ تعالیٰ کا نام لیا ہے یا نہیں. آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم اس پر اللہ تعالیٰ کا نام لو اور آستہ کھالو. شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان اس اصل پر مبنی ہے. کہ شریعت کے احکام ظاہر پہ مبنی ہوتے ہیں. جب ایک مسلمان گوشت لاتا ہے تو بلا وجہ اس پر بدگمانی کرنا خلاف ظاہر ہے. ایک مسلمان کو دوسرے مسلمان کے متعلق اچھا گمان کرنا چاہیئے چنانچہ شاہ ولی اللہؒ اس چیز کو واضح کرنے کیلئے فرماتے ہیں. کہ:

واما حدیث اهل البادیة فهو من	وہ حدیث جس میں اہل بادیہ (دیہاتی نو مسلم قسم کے لوگ)
اقامة الدليل الظاهر مقام اليقين	کے گوشت لانے کا ذکر ہے تو اس کا مطلب یہ ہے
وليس فيه شك كما ورد في الخبر	کہ ظاہری دلیل کو یقین کے قائم مقام ٹھہرایا گیا ہے.
اذا دخلت على مسلم فكل من طعامه	اس میں اس بات کا شک نہیں کہ وہ گوشت حرام
ولا تسأله ـ (مسوی مصفا ج۲ ص۱۷۵)	ہو یا شاید اس پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو یہ ایسا ہی

ہے جیسا کہ دوسری حدیث میں وارد ہوا ہے کہ جب تم کسی مسلمان کے پاس جاؤ تو اس کے پیش کئے ہوئے کھانے کو کھالو اور یہ مت دریافت کرو کہ یہ کیسا ہے. حلال ہے یا حرام کیونکہ ایک مسلمان کے عمل کو اچھے محل پر محمول کرنا چاہیئے. جب وہ ضیافت کرتا ہے تو ظاہر ہے کہ حلال اور پاک مال سے اور طیب کمائی سے ہی کرتا ہوگا. اسی طرح یہاں بھی وہ نو مسلم جو گوشت لاتے ہیں تو اس میں شک کرنے کی کوئی وجہ نہیں، بس تم اللہ کا نام لو اور کھالو۔

ذبح کے احکام | آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے عرض کیا گیا کہ ہماری کل دشمن سے ٹکر ہوگی اور ہمارے پاس چھریاں وغیرہ نہیں جن سے ہم اس وقت جانور ذبح کر سکیں۔ صرف تلواریں ہی ہمارے پاس ہیں اگر ہم ان کو اس وقت جانوروں کے ذبح کرنے اور گوشت کاٹنے میں استعمال کرتے ہیں تو یہ کند ہو جائیں گی تو کیا ایسی صورت میں ہم بانس یا اس قسم کی تیز کھپچیوں سے جانور ذبح کر سکتے ہیں۔؟ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس قسم کی جو چیز بھی ہو جو اپنی تیزی کی وجہ سے خون بہا دے اور اس پر اللہ تعالیٰ کا نام لیا گیا ہو تو اس سے ذبح کرنا درست ہے۔ جیسا کہ دوسری روایت میں اسی طرح آیا ہے کہ آپ سے اس بکری کے بارہ میں سوال کیا گیا جس کو ایک لونڈی نے دیکھا کہ وہ مر رہی ہے اور ذبح کرنے کیلئے اس کے پاس کوئی چیز نہ تھی اس لونڈی نے ایک پتھر جلدی سے توڑ کر اور اس کا ایک تیز ٹکڑا لے کر اس بکری کو ذبح کر دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کو کھاؤ یہ حلال ہے۔ لکڑی یا تیز پتھر یا کوئی اور تیز قسم کی چیز ہو تو اس سے ذبح کئے ہوئے جانور حلال ہیں۔ البتہ دانت اور ناخن سے ذبح نہ کیا جائے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں تمہیں بتاتا ہوں کہ دانت تو ہڈی ہے اور ناخن حبشیوں کی چھری ہے یعنی حبشہ کے مشرک لوگ ناخن کے ساتھ جانور کو کاٹتے تھے یہ ایک غلط اور جانور کو اذیت دینے والا طریقہ ہے۔ ایک مرتبہ ایک اونٹ بھاگ نکلا جس کا پکڑنا دشوار ہو گیا۔ تو ایک شخص نے تیر مار کر اسکو قابو کیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقعہ پر فرمایا کہ گھریلو اور پالتو جانور بھی بعض اوقات آدمیوں سے متنفر ہو کر وحشی جانوروں کی طرح بھاگ جاتے ہیں۔ تو جب کوئی جانور وحشی ہو جائے تو تم اس کے ساتھ ایسا ہی سلوک کرو۔ جیسا وحشی جانوروں کو تیر مار کر زخمی کر دیا جاتا ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں کہ ایسا جانور چونکہ وحشی بن گیا تو اس کا حکم وہی ہوگا جو شکار کا حکم ہے۔۔۔۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

ڈھاکہ میں مجلس مذاکرہ

تعلیم القرآن سوسائٹی ڈھاکہ (مشرقی پاکستان) کے زیر اہتمام قرآنی علوم و معارف پر بحث و مذاکرہ کے لئے ۲۴ فروری سے ڈھاکہ میں ایک سیمنار ہو رہا ہے۔ منتظمین کی خواہش پر اس مجلس میں حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب مدظلہ مہتمم دارالعلوم حقانیہ اور مدیر ماہنامہ الحق نے دعوت شمولیت منظور کر لی ہے اگر کوئی مانع پیش نہ آیا تو یہ حضرات اس میں شرکت فرماویں گے۔ اس سیمنار میں مولانا سمیع الحق مدیر ماہنامہ الحق "قرآن کریم اور تعمیر اخلاق" کے موضوع پر مقالہ سنائیں گے: انشاء اللہ۔ (صابر علی شاہ منیجر الحق)

بسلسلہ صغر سنی کی شادیاں اور اسلام

حضرت مولانا امین الحق صاحب خطیب شیخوپورہ

رسولِ کریم ﷺ سے نکاح کے وقت حضرت عائشہؓ کی عمر

مسلمان اسلام کی تاریخ، اخلاق و کردار اور اسلام کے اصول اور مسائل کی حفاظت میں اس قدر ممتاز رہا کہ دنیا کی کوئی قوم اس میدان میں کسی وقت بھی مسلمان کے مقابلہ پر نہیں آسکی۔ قوموں نے اپنی تاریخ کی طرح اپنے مذہب اور اللہ کی کتابوں میں تصرف کیا جہاں ترمیم کرنا مناسب خیال کیا جاتا وہاں ترمیم کی اور جہاں اضافہ ضروری سمجھا وہاں اضافہ کیا۔ مسلمانوں کے اہل علم نے ہر دور میں اسلام کی طرف منسوب تمام اصول اور مسائل میں ثبوت اور سند کی پوری تحقیق کی۔ کتاب و سنت کے دلائل کا تجسس کیا اور ہر قرن سے دوسری قرن تک محفوظ صورت میں اسلام کو پہنچایا۔ لیکن اب مسلمانوں میں ایک ایسا پڑھا لکھا ہوا مغرب نواز طبقہ پیدا ہوا ہے کہ اس کی علمی کاوش دوسروں کی گھسی ہوئی بوسیدہ عمارت کی زینت و استحکام میں صرف ہوتی ہے۔ وہ اہل مغرب کے پسندیدہ کو پسندیدہ سمجھانے کی کوشش کرتا ہے۔ اور معاندین اسلام کی کج روی کو تحقیق اور ترقی کا نام دے کر اسلام اور مسلمانوں کے مسلمات میں شک اور شبہ کی راہ چلتا ہے۔ یا قطعی اور یقینی ثابت اور مسلمات کے خلاف ایسی تحقیق اور فکر و نظر کو مسلمانوں سے تسلیم کرنے کی توقع رکھتا ہے۔ جس پر خود لکھنے والے حضرات کا دل بھی وثوق اور یقین نہیں رکھتا۔

متحدہ ہندوستان میں ہندو کی کوشش سے چھوٹی عمر کی شادیوں پر پابندی لگانے کیلئے شاردہ بل کے نام سے اسمبلی میں ایک بل کا مسودہ پیش کیا گیا تھا۔ لیکن علماء نے اسلام کی مخالفت اور عام مسلمانوں کی مزاحمت سے اس کو منظور نہیں ہونے دیا۔ قیام پاکستان کے بعد ایک کمیشن نے چھوٹی عمر کی شادیوں پر پابندی لگانے کا مسودہ تیار کیا تھا۔ مگر ناکام رہا۔ اور علماء نے اسکی پوری

مخالفت کی اس کے بعد بعض حضرات کی کوشش سے مجوزہ کمیشن کا دفن شدہ مسودہ باہر نکالا گیا اور آرڈیننس کے ذریعہ اسے نافذ کردیا گیا۔ بعض سرکاری اداروں اور کالجوں میں اسلامیات کے نام نہاد اساتذہ اس کے جواز اور افادیت ثابت کرنے کیلئے حرکت میں آ گئے۔ ۱۹۶۳ء میں "کیا عائلی قوانین اسلام کے خلاف ہیں" کے عنوان سے پبلسٹی کمیٹی طلوع اسلام لاہور نے ایک پمفلٹ شائع کیا تھا۔ اور پھر ماہنامہ "فکر ونظر" فروری و مارچ ۱۹۶۴ء میں "صغرسنی کی شادیاں اور اسلام" کے عنوان سے گورنمنٹ کالج کراچی کے شعبۂ اسلامیات کے صدر محترم عمر احمد عثمانی صاحب نے اس مسئلہ پر اپنے خیالات شائع کئے۔ شعبۂ اسلامیات کے صدر کے خیالات اور مذکورہ پمفلٹ کا مضمون بہت ملتا جلتا ہے۔ بلکہ تقریباً ایک ہی معلوم ہوتا ہے۔ معلوم نہیں کہ ان دونوں میں اصل اور نقل کون ہے۔ یہ دونوں صاحب قلم حضرات اپنے دعویٰ کو کسی مثبت دلیل سے تو ثابت نہ کر سکے، البتہ اہل علم نے مذکورہ موضوع کے جس قدر دلائل پر روشنی ڈالی تھی اس کے خلاف علماء کی عبارتوں میں ترمیم اور اضافہ میں مخالفانہ مواد فراہم کرنے کی کوشش کی ہے، صغرسنی کی شادیوں کے جواز کے لئے اہل علم کی پیش کردہ دلائل میں ایک دلیل یہ بھی ہے کہ حضرت عائشہؓ کا نکاح حضورؐ سے ابوبکر صدیقؓ نے کم عمری میں کرایا اور رسالت مآب نے اس کو بجا اور برقرار رکھا اور حضرت عائشہ کو اس کے خلاف کسی قسم کا اختیار نہیں دیا گیا۔ اور متعدد حضرات صحابہؓ نے بھی اپنی کم سن بچیوں کا نکاح کروایا ہے، اور کسی ایک صحابیؓ نے بھی کم سن بچیوں کے نکاح پر اعتراض اور اختلاف نہیں کیا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ قرآن اور سنت کے اس مفہوم پر کہ کم سن بچیوں کا نکاح کرنا جائز اور درست ہے۔ صحابہؓ کو اتفاق تھا اور کسی ایک کو بھی کم سن بچیوں کے نکاح کے جواز کو تبدیل کرنے اور روکنے کا حق نہیں ہے۔ نیز صحابہؓ کے اتفاق سے یہ بھی ظاہر اور ثابت ہوا کہ کم سن بچیوں کے نکاح کے جواز پر صحابہؓ کا اتفاق ان کا اجتہاد نہیں تھا۔ اس لئے کہ صحابہؓ میں اجتہادی اختلافات رہے ہیں اور یہ عجوبہ ہوگا کہ کسی ایک صحابیؓ نے اس میں اختلاف نہیں کیا اور تمام اہل اجتہاد صحابہؓ کو ایک اجتہادی مسئلہ پہ اتفاق ہوا اور صحابہؓ کے بعد تمام اہل اجتہاد "تابعینؒ" کے اجتہاد میں بھی اختلاف ثابت نہیں ہوتا۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ صحابہؓ اور تابعینؒ کو کتاب اور سنت کے منصوص یا مفہوم میں کم سن بچیوں کے نکاح کا جواز ظاہر اور ثابت ہو چکا تھا۔ ورنہ ارباب اجتہاد کے اختلاف مراتب اور فکر و نظر کے طریقوں کے اختلاف کی وجہ سے ضروری تھا کہ صحابہؓ کے دور میں یا تابعینؒ اور تبع تابعینؒ کے دور میں کہیں مذکورہ اتفاق کے خلاف

کوئی اجتہاد ظاہر ہوتا۔ عصر حاضر کے اہل قلم اور ارباب تحقیق کو میں نہیں جانتا کو کسی مجبوری ایسی پیش آئی ہے کہ خیر القرون کے مسلمہ اور اجماعی جواز کے خلاف ناقابل اعتبار آراء اور دور از کار روایات کو اپنے لئے دلیل راہ بنانا چاہتے ہیں۔ اس تحریر میں میری غرض اس مسئلہ کی تحقیق نہیں ہے۔ بلکہ صرف اس قدر ظاہر کرنا مقصود ہے کہ شعبہ اسلامیات کے محترم صدر مذکور نے محنت ضرور کی ہے۔ مگر "صدر اسلامیات" کی عظیم شخصیت کی حیثیت سے قارئین کو علمی توقع آپ سے ہو سکتی تھی اسکو آپ نے پورا نہیں کیا۔ اور وہ اپنے موضوع کے تحقیقی مطالعہ میں ناکام رہے ہے۔ محترم عمر احمد صاحب اور آپ کے دوسرے ہم خیال حضرات نے تاریخ و سیر کی اس تسلیم شدہ حقیقت کی تردید کی ہے کہ نکاح کے وقت حضرت عائشہؓ کی عمر چھ سال اور ہجرت کے وقت آپ کی عمر سات سال کی تھی اور یہ دعویٰ کیا ہے کہ بوقت ہجرت حضرت عائشہؓ کی عمر سترہ سال اور رخصتی کے وقت آپ کی عمر انیس سال کی تھی مگر ان لوگوں کا تاریخ کے صفحات پر یہ ایک اضافہ ہے جس کے ساتھ حضرت عائشہؓ کی سیرت اتفاق نہیں کرتی۔

میں مناسب سمجھتا ہوں کہ اس تحریر کے موضوع کو تین حصوں پر تقسیم کر دیا جائے۔ پہلا حصہ یہ کہ حضرت عائشہؓ کی کل عمر کتنی تھی۔ دوسرا حصہ یہ کہ حضرت عائشہؓ آغوش نبوت میں کتنا عرصہ رہیں۔ تیسرا حصہ یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ کے ساتھ نکاح کے وقت حضرت عائشہؓ کی عمر کتنی تھی ——— اور ان تمام امور کی تنقیح کے بعد شعبۂ اسلامیات کے صدر نے اس مسئلہ پر جو تنقیدات کی ہیں اور اپنے مدعا کیلئے جو مؤیدات پیش کئے ہیں، ان پر تبصرہ کروں گا۔ تاکہ اصل حقیقت منقح ہو جائے۔ ان ارید الا الاصلاح ما استطعت وما توفیقی الا باللہ۔

حضرت عائشہؓ کی کل عمر کتنی تھی اگر ہمیں کسی کی ولادت اور وفات کی تاریخ معلوم ہو جائے تو بغیر کسی شک اور شبہ کے اسکی کل عمر کا اندازہ ہو جاتا ہے۔ اور اس کی زندگی کے کسی خاص واقعہ کی تاریخ بھی معلوم کی جا سکتی ہے۔ حضرت عائشہؓ کے متعلق حفاظ حدیث اور اہل سیر نے بالاتفاق یہ لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے چوتھے سال کی ابتداء میں آپ کی ولادت ہوئی ہے۔ اور رمضان کے مہینہ میں چھیاسٹھ سال کی عمر میں ۵۸ھ میں آپ نے وفات پائی ہے۔ اور حضرت ابو ہریرہؓ نے آپ کا جنازہ پڑھایا ہے[1]

حافظ شمس الدین ذہبیؒ تذکرۃ الحفاظ میں لکھتے ہیں ۵۷ھ یا ۵۸ھ میں پینسٹھ سال

---

[1] طبقات ابن سعد جلد ۸ ص ۷۷، ۷۸، ۷۹

کی عمر میں حضرت عائشہؓ نے وفات پائی ہے۔ حافظ ابن حجرؒ نے اصابہ میں لکھا ہے۔ اکثر اہل علم کا قول ہے کہ ۵۸ھ میں حضرت عائشہؓ نے وفات پائی ہے۔ اور علی بن المدینیؒ کہتے ہیں کہ ۵۷ھ میں آپ کی وفات ہوئی ہے۔ حافظ ابن عبد البرؒ نے استیعاب میں اور شیخ نوویؒ نے تہذیب الاسماء واللغات میں لکھا ہے کہ ۵۷ھ یا ۵۸ھ میں حضرت عائشہؓ کی وفات ہوئی ہے ـــــ ان حضرات حفاظ حدیث کے بیان سے ظاہر ہے کہ ہجرت کے بعد ۵۷ھ یا ۵۸ھ تک حضرت عائشہؓ زندہ رہی ہیں۔ اور آپ کی کل عمر پینسٹھ یا چھیاسٹھ سال ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے وقت حضرت عائشہؓ کی عمر آٹھ سال کی تھی۔ چونکہ حضرت عائشہؓ کی سن وفات میں مذکورہ اقوال کے علاوہ کوئی تیسرا قول معلوم نہیں ہوسکا ہے۔ لہٰذا جس صاحب نے بھی حضرت عائشہؓ کی عمر کو بوقت نکاح سولہ یا سترہ سال اور بوقت رخصتی انیس سال بتلایا ہے یہ صرف ان کی اختراع ہے۔ ورنہ حضرت عائشہؓ کی کل عمر سے اسکی مطابقت نہیں ہوتی اس لئے کہ کسی صاحب نے بھی وفات کے وقت حضرت عائشہؓ کی عمر چہتر یا پچھتر سال نہیں لکھی۔ اگر ہجرت کے وقت حضرت عائشہؓ کی عمر آٹھ سال کے علاوہ سولہ یا سترہ فرض کی جائے تو ۵۸ھ میں وفات کے وقت حضرت عائشہؓ کی عمر چہتر یا پچھتر سال کی ہونی چاہئے اور حفاظ حدیث اور اہل سیر میں کسی صاحب نے بھی ایسا نہیں لکھا ہے۔

آغوش نبوت میں حضرت عائشہؓ کی زندگی | صحیح بخاری اور صحیح مسلم باب تزویج الاب البکر الصغیرۃ اور طبقات ابن سعدؒ میں حضرت عائشہؓ کا یہ بیان مذکور ہے ام المومنینؓ فرماتی ہیں جب میرے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح ہوا تو میری عمر چھ سال ہو چکی تھی اور میری رخصتی کے وقت میری عمر نو سال کی تھی اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا سے تشریف لے گئے تو اس وقت میری عمر اٹھارہ سال کی تھی ـــــ

شیخ محی الدین نوویؒ لکھتے ہیں۔ ہجرت سے دو سال یا تین سال پیشتر چھ سال کی عمر میں حضرت عائشہؓ سے رسالت مآب کا نکاح ہوا ہے۔ اور ہجرت کے دوسرے سال بدر کی واپسی میں حضرت عائشہؓ کی رخصتی ہوئی ہے۔

لہ صحیح ۲/۶۱۲   کلہ تہذیب الاسماء واللغات

حافظ ابن عبدالبرؒ[1] لکھتے ہیں۔ ہجرت سے دو سال پیشتر چھ سال کی عمر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت عائشہؓ کا نکاح ہوا ہے۔ اور نو سال کی عمر میں آپ کی رخصتی ہوئی ہے۔ اور حضورؐ کے تشریف لے جانے کے وقت اٹھارہ سال آپ کی عمر تھی۔ ابن شہاب زہریؒ فرماتے ہیں۔ سنہ نبوت میں ہجرت سے تین سال پیشتر حضرت عائشہؓ کا نکاح حضورؐ کے ساتھ ہوا ہے اور ہجرت کے اٹھارہ ماہ بعد حضرت عائشہؓ کی رخصتی ہوئی ہے۔

مذکورہ حضرات حفاظ حدیث اور ائمہ اخبار کی صحیح اور ثابت روایات سے حضرت عائشہؓ کا یہ بیان قطعی اور یقینی ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عائشہؓ کی عمر رسالت مآبؐ کے تشریف لے جانے کے وقت اٹھارہ سال کی تھی اور اس پر اہل علم اخبار وسیر کو اتفاق ہے۔ آغوش نبوۃ میں حضرت عائشہؓ کا عرصہ حیات اٹھارہ سال سے زائد کسی صاحب حدیث اور صاحب سیر نے نہیں بتلایا ہے۔ اگر بفرض محال یہ تسلیم کیا جائے کہ بوقت رخصتی حضرت عائشہؓ کی عمر اٹھارہ یا انیس سال کی تھی تو حضورؐ کے تشریف لے جانے کے وقت آپکی عمر ساڑھے چھبیس سال یا ساڑھے ستائیس سال ہونی لازمی ہے۔ مگر آج تک کسی صاحب علم وسیر نے ایسا نہیں لکھا ہے۔ بلکہ یہ صرف کسی صاحب کی سازش اور غلط خیال ہے۔

نکاح کے وقت حضرت عائشہؓ کی عمر کتنی تھی؟ بخاری شریف کتاب النکاح مسلم شریف کتاب النکاح ابن ماجہ سنن دارمی کتاب النکاح میں حضرت عائشہؓ کا یہ بیان مذکور ہے کہ رسالت مآبؐ سے چھ سال کی عمر میں میرا نکاح کیا گیا تھا۔ اور حافظ ابن حجرؒ نے اصابہ میں لکھا ہے۔ حضرت عائشہؓ کی عمر آپ کے نکاح کے وقت چھ سال پوری ہو چکی تھی اور ساتواں سال چل رہا تھا۔ نبوت کے چار یا پانچ سال بعد حضرت عائشہؓ کی ولادت ہوئی ہے۔ یہ حضرات محدثین حضرت عروۃ بن زبیرؓ اور عبداللہ بن زبیرؓ جو حضرت عائشہؓ کے بھانجے ہیں اور اسود بن یزیدؒ اپنے وقت کے بڑے فقیہہ سے بالاتفاق حضرت عائشہؓ کے اس بیان کو روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت عائشہؓ کا نکاح چھ سال کی عمر میں ہوا تھا۔ کیا یہ ہو سکتا ہے کہ حضرت عائشہؓ کے سوا کسی دوسرے صاحب کو حضرت عائشہؓ کے نکاح کے وقت آپکی عمر کا زیادہ علم ہو؟

مورخین کے مقابلہ میں محدثین اور بخاریؒ ومسلمؒ کی روایات کا مقام حضرت عائشہؓ کے بارہ میں کسی دوسرے صاحب سے زیادہ خود ان کا بیان قابل اعتماد ہونا چاہیئے۔ اگر کسی غیر معروف یا منکر راوی

---

[1] استیعاب

سے کسی صاحب قلم نے جس نے امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ کیطرح صحیح اور ثابت روایات کی روایت کا التزام نہیں کیا ہے۔ حضرت عائشہؓ کے مذکورہ بیان کے خلاف کسی اور بات کو روایت بھی کر لیا ہے تو وہ امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ جیسے نقاد حضرات کی روایت کے مقابلہ پہ قابل قبول نہ ہونی چاہیئے بلکہ ایسی روایات ناقابل اعتبار ہے، اس کو مسترد کرنا ضروری ہے۔ روایات اور نقل واقعات کے بارہ میں مؤرخین سے عامہ محدثین کی تحقیق وتنقید کی سطح بہت بلند ہے اور خصوصاً بخاریؒ اور مسلمؒ کی تحقیق وتنقید کا پایہ صرف ان کے تجسس اور فکر و نظر تک محدود نہیں ہے بلکہ ان حضرات نے ایسی روایات اور واقعات کے نقل کرنے کا اپنی کتابوں میں التزام کیا ہے۔ جنکی صحت اور ثبوت پر آپ حضرات سے پہلے ائمہ حدیث واخبار کو اتفاق تھا۔ لبفرض محال اگر امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ بھی نہ ہوتے یا انکی کتابیں تصنیف نہ ہوتیں یا انکی کتابوں میں مذکورہ روایات انکی کتابوں میں مذکور نہ ہوتیں تب بھی بخاریؒ اور مسلمؒ میں مذکورہ روایات کو ان سے پہلے اور ان کے زمانہ میں اور ان کے بعد بہت سے محدثین نے روایت کیا ہے۔ اور بخاریؒ اور مسلمؒ کا ان روایات کو روایت کرنا ان کی صحت کی علامت اور دلیل ہے۔ اور یہ نہیں کہ ہم بخاریؒ اور مسلمؒ کی کتابوں میں مذکورہ روایات کو بخاریؒ اور مسلمؒ سے حاصل کرتے ہیں۔ بلکہ ان کی کتابوں میں مذکورہ روایات امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ کے وجود پذیر ہونے سے پہلے ہی صحیح اور ثابت اور امت مسلمہ میں مقبول تھیں جیساکہ حافظ ابن تیمیہؒ نے منہاج السنۃ[1] میں یہ بحث لکھی ہے۔ اس لئے جب ہم امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ کی کتابوں میں بھی حضرت عائشہؓ کے بارہ میں یہ پڑھتے ہیں کہ نکاح کے وقت آپکی عمر چھ سال کی تھی تو ہمیں یقین کر لینا چاہیئے کہ امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ سے پہلے بھی طبقہ صحابہؓ تابعینؒ اور اتباع تابعین کے ارباب علم اور اصحاب حدیث وسیر کو یہی تسلیم تھا کہ حضرت عائشہؓ کی عمر نکاح کے وقت چھ سال کی تھی لہذا اگر کسی نے نکاح کے وقت حضرت عائشہؓ کی عمر سولہ سترہ سال لکھی ہے تو ہمیں سمجھ لینا چاہیئے کہ وہ غیر معروف شاذ اور غیر مقبول بات ہے۔ خیر القرون میں کسی کی کہی ہوئی بات نہیں ہے اور نقاد ارباب سیر نے اس کو تسلیم اور علم وبصیرت میں معروف اہل علم نے اس کو روایت نہیں کیا ہے۔ اسلامیات کے صدر محترم نے مستشرقین یورپ کے حوالہ سے رسالت مآب کے متعلق صغر سنی میں حضرت عائشہؓ کے نکاح سے اذہان میں شرمناک تصور پیدا کرنے کی افسوسناک کوشش کی ہے۔ مگر آپ جانتے ہیں کہ مغرب کے اوباشوں نے اسلام

---

[1] ص ج ۴

اور پیغمبر اسلام کے متعلق کیا کچھ نہیں کہا ہے۔ مگر یورپ کے ایسے اہل قلم بھی ہیں جنہوں نے خود اہل یورپ کو ان کی یاوہ گوئی پر ملامت کی ہے۔

ڈاکٹر لیبان[1] عربوں کی شادی کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں۔ عرب مرد و زن میں کم سنی میں شادی کرنے کی عادت تھی اور عموماً دس سال سے لیکر بارہ سال کی عمر میں ایک لڑکی شادی کر لیتی تھی ـــــ اس لئے بھی ہمیں یہ سمجھنا چاہیئے کہ حضرت عائشہ رضی کی عمر نکاح اور رخصتی کے وقت عرب کے دستور کے موافق تھی۔

منکرین حدیث کا دعوی | عمر احمد عثمانی اور دیگر منکرین حدیث کو یہ تسلیم نہیں کہ نکاح کے وقت حضرت عائشہ رض کی عمر چھ سال کی ہو چکی تھی اور دسواں سال چل رہا تھا، بلکہ آپ نے دعوی کیا ہے کہ نکاح کے وقت حضرت عائشہ رض کی عمر سولہ سترہ سال سے کسی طرح کم نہ تھی اور روایات میں عشرہ کا لفظ یا تو سہواً کسی راوی سے ساقط ہو گیا ہے۔ یا قصداً ساقط کیا گیا ہے۔ اور اسطرح سولہ کا چھ اور انیس کا نو بن گیا ہے۔[2]

اسلامیات کے صدر کا رواۃ اور حفاظ حدیث پر یہ ایک بہت بڑا الزام ہے کہ حدیث کے رواۃ قصداً جس لفظ کو چاہیں نکال دیں مگر حفاظ حدیث ان سے گرفت نہ کریں یا رواۃ حدیث سے سہواً کوئی لفظ گر جائے اور ائمہ حدیث اس قدر غافل ہیں کہ اس کا علم ان کو نہیں ہوتا۔ اگر ان کا یہ نظریہ تسلیم کیا جائے تو اس کے یہ معنی ہوں گے کہ آپ تمام ذخیرۂ احادیث کو رواۃ حدیث کا کھیل کھلونا بتلانا چاہتا ہے۔ غالباً اسلامیات کا یہ صدر محترم ائمہ حدیث کی دقت نظر اور تجسس رواۃ اس سلسلہ میں بے پناہ مساعی جمیلہ سے واقف نہیں ہیں ورنہ اس قدر سطحی کلمات آپ کی قلم سے ہرگز نہ نکلتے۔ حفاظ اور ائمہ حدیث نے رواۃ ادنی تساہل اور کسی طرح کا تصرف برداشت نہیں کیا ہے۔ جہاں کہیں کسی راوی سے تساہل ہوا ہے یا کوئی ادنی تصرف کیا ہے تو ائمہ حدیث نے اس پر تنبیہ کی ہے۔ اور دوسروں کو آگاہ کیا ہے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ نقاد ائمہ حدیث سے مذکورہ حدیث میں رواۃ کا تساہل یا تصرف پوشیدہ رہا اور گورنمنٹ کالج کے اسلامیات کے صدر محترم عمر احمد صاحب عثمانی کو اس تساہل اور تصرف کا کسی نامعلوم طریقہ سے علم ہو گیا۔

مذکورہ روایت پر عمر احمد عثمانی کا اعتراض | شاید اصل مضمون اور مسئلہ کے متعلق کالج کے اسلامیات کے صدر کا ذہن صاف نہیں ہے۔ بلکہ آپ نے یہ چاہا ہے کہ اصل مسئلہ میں تکلف

---

[1] تمدن عرب۔ باب چہارم [2] فکر و نظر ص، مارچ ۱۹۶۷ء

اور دور از کار تاویلات سے شبہ ڈالا جائے اس لئے آپ نے مذکورہ روایت کے بارہ میں ذیل کا اعتراض لکھا ہے۔ "یہ حدیث صحیح بخاری صحیح مسلم سنن ابوداود سنن نسائی اور دوسری تمام معتبر کتب حدیث میں بیان ہوئی ہے اس میں کوئی شبہ نہیں کہ حدیث کی سند پر کوئی اعتراض نہیں کیا جاسکتا اسی ایک حدیث کی بنا پر فقہاء اور علماء کا جم غفیر صغر سنی کی شادیوں کے جواز کا قائل چلا آرہا ہے ـــــ لیکن اس موقع پر یہ سوال کیا جاسکتا ہے کہ مذکورہ بالا حدیث کتنی ہی قوی اور سند کے اعتبار سے کتنی ہی صحیح کیوں نہ ہو لیکن بہر حال وہ ایک خبرِ واحد ہے جو قرآن کریم کی نصِ صریح کے مقابلہ میں قابلِ قبول نہیں ہوسکتی۔ روایتاً کسی حدیث کا قوی السند ہونا فی الواقع بھی اس کے صحیح ہونے کو مستلزم نہیں ہوتا۔ علمائے اصول نے یہ بات صاف کردی ہے کہ خبرِ واحد اگر سنداً صحیح بھی ہو مگر وہ قرآن کریم کی نصِ صریح کے خلاف ہو تو اسے قبول نہیں کیا جاسکتا۔ گذشتہ صفحات میں ہم دیکھ چکے ہیں۔ کہ قرآن کریم کی نصِ صریح نے نکاح کی عمر بلوغ کو بتایا ہے۔ لہٰذا صغر سنی کی شادیوں کے جواز میں قرآن کریم کی نصِ صریح کے خلاف اس حدیث سے استدلال نہیں کیا جاسکتا ـــــ اگر کوئی خبر واحد قرآن کریم کی نصِ صریح کی معارض ہے تو اس کے یہ معنی کیوں نہیں کہ وہ خبرِ واحد ہی غلط تسلیم کی جائے ظنی اور قطعی کا مقابلہ ہی کیا ہے۔ قرآن کریم قطعی ہے اور خبرِ واحد ظنی ہے۔ لہٰذا خبر واحد کو غلط کیوں نہ مانا جائے۔" [1]

ـــــ عمر احمد عثمانی سند اور ثبوت کے اعتبار سے اس واقعہ کو صحیح اور درست تسلیم کرتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ کا نکاح چھ سال کی عمر میں ہوا تھا اور نو سال کی عمر میں آپ کی رخصتی ہوئی تھی۔ لیکن مذکورہ حدیث کو قرآن شریف کا معارض تبلاتے ہیں اور یہ کہہ کر کہ کسی حدیث کا صحیح السند ہونا فی الواقع بھی اس حدیث کے صحیح ہونے کو مستلزم نہیں ہے، اسکی صحت میں شک ڈالتے ہیں۔ وہ محدثین کے احترام کا ظاہراً بھی کچھ پاس رکھنا چاہتے ہیں۔ اور آپ کے سامنے کچھ مجبوریاں بھی ہیں جن کی وجہ سے وہ حدیث کے مضمون اور معنی کو صحیح تسلیم نہیں کرنا چاہتے۔ عالم اسلام کے اہل علم میں محترم مقالہ نگار سب سے پہلے اور منفرد شخص ہیں جس نے مذکورہ حدیث کو قرآن شریف کا معارض اور مقابل تبلایا ہے۔ کیا یہ بات معقول ہوسکتی ہے کہ ان کی منفرد رائے کو تمام عالم اسلامی کے ائمہ فقہ و حدیث کے علم و فہم اور فکر و نظر کے مقابلہ پر صحیح اور درست اور مذکورہ حدیث کو قرآن شریف کا مقابل اور معارض تسلیم کیا جائے اور حقیقت یہ ہے کہ جسقدر سلف اور خلف کے اہل علم کو قرآن اور حدیث

---

[1] فکر و نظر ص ۲۳ مارچ ۱۹۶۴ء

کے معانی اور مضامین پر گہری اور جامع نگاہ تھی اس کے مقابلہ میں صدر محترم کو بہت کم غور و توجہ کی توفیق ہوگی۔ کیا یہ بات معقول ہو سکتی ہے: کہ قرآن شریف نے صغر سنی میں نکاح کرنے کو منع فرمایا ہو اور رسالتمآب قرآن شریف کے منشاء کے خلاف صغر سنی کے نکاح کو جائز قرار دیں! اور صحابہؓ اور تابعینؒ مسلسل اپنے عمل سے اس کو جواز ثابت کریں!! کیا یہ بات معقول ہو سکتی ہے: کہ رسالتمآب کو اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف کا واحد اور ذمہ دار مبیّن اور مفسّر قرار دیا؟ اور آپ نے اپنے عمل اور سنت سے قرآن شریف کے مفہوم اور منشا کے خلاف اسکی تفسیر کردی ہے۔ اگر قرآن شریف صغر سنی میں، نکاح کرنے کو منع کر رہا تھا تو رسالتمآب نے اسکی تفسیر میں اپنے عمل اور سنت سے اس کے جواز کا اظہار فرمایا اور قرآن شریف کا صحیح معنی اور مفہوم رسالتمآب کی نگاہ اوجھل رہا اور آج ایک کالج کے شعبۂ اسلامیات کے ایک صدر محترم کو قرآن کا ایسا مفہوم ظاہر کرنا پڑا جس کے خلاف، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی سنت کو قائم کر دیا ہے اور قرآن شریف کا صحیح مفہوم پیغمبرانہ بصیرت میں ظاہر نہ ہو سکا ——— (باقی آئندہ)

ادارۃ المعارف۔ فرید آباد ـــ ڈھاکہ

مشرقی پاکستان کے ۵ کروڑ مسلمانوں کو ان کی مادری زبان میں اسلامی علوم اور دینی اقدار سے متعارف کرانے کیلئے اس ادارہ کا قیام عمل میں لایا گیا ہے۔ بنگلہ زبان میں کافی دینی لٹریچر نہ ہونے کی وجہ سے ملاحدہ؛ اور زنادقہ، تجدد پسندوں، ملک دشمنوں اور لادینی عناصر کو کھل کر کھیلنے کا موقعہ مل رہا ہے۔ اس مقصد کیلئے مذکورہ ادارہ کا قیام وقت کی اہم ضرورت ہے۔ اس مقصد کے لئے جید فارغ التحصیل علماء کو تبلیغ و تعلیم اور تحقیق و تصنیف کے لئے تربیت دینے کا پروگرام ہے۔ ادارہ کو حضرت مولانا شمس الحق مدظلہٗ فرید پوری جامعہ قرآنیہ ڈھاکہ مولانا نور محمد الاعظمی مدظلہٗ مولانا صدیق احمد صاحب مدظلہٗ چاٹگام اور دیگر علماء کی سرپرستی اور مولانا محمد ہارون صاحب جیسے فعال شخص کی ادارت، مولانا محی الدین خان صاحب ایڈیٹر مدینہ ڈھاکہ جیسے گرمجوش اور مخلص شخص کا تعاون حاصل ہے۔ مالی امور کا بوجھ مشرقی بنگال کے مشہور مخیر بزرگ حاجی بشیر الدین بگرہ اور ان کے خاندان نے اٹھا رکھا ہے۔ ادارہ میں تربیت کیلئے اولاً دس علماء کو منتخب کیا جائے گا۔ اور کورس دو سالہ ہوگا۔ سال اول تربیت اور سال دوم تحقیق و تصنیف کیلئے۔ سال اول کا وظیفہ ۶۰ سے ۷۰، اور سال دوم ۱۰۰ سے ۱۲۵ تک رکھا گیا ہے۔ ایک وسیع لائبریری بھی اس مقصد کیلئے بنائی جارہی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس ادارہ کو اپنے بلند عزائم میں کامیابی سے ہمکنار کرے اور بے حساب ترقیات سے نوازے۔

ایڈیٹر "الحق"

عقبہ عمان سے جانب مغرب تین سو کیلومیٹر کی مسافت پر واقع ہے۔ تمام زمین پتھریلی ہے۔ زمین کے بعض خطے کوئلہ نما سیاہ پتھروں سے ڈھکے ہوئے ہیں۔ عمان سے عقبہ کی جانب ریلوے لائن بھی جاتی ہے جس پر مال گاڑی دن میں ایک دفعہ آتی جاتی ہے۔ راستہ میں ہم نے نماز پڑھنے کے لئے ڈرائیور کو بس ٹھہرانے کیلئے کہا۔ مگر سخت سرد آندھی کی وجہ سے ہم باہر نماز نہ پڑھ سکے۔ راستہ میں معان کا قصبہ آیا جو عمان سے دو سو کیلومیٹر دور ہے۔ یہاں ترک سے آئے ہوئے حاجیوں کی بیشمار بسیں کھڑی تھیں۔ معان سے آگے دو راستے ہیں۔ ایک راستہ جنوباً مدینہ منورہ کو تبوک اور خیبر سے ہوتا ہوا پہنچتا ہے۔ دوسرا راستہ جس پر ہم جا رہے تھے جانب مغرب عقبہ کی طرف جاتا تھا۔ معان میں ہوٹلوں کی عمارتیں بہت شاندار ہیں۔ معان کے قرب وجوار میں ایک راستہ کرک کی طرف جاتا ہے۔ کرک کے قریب "موتہ" ایک گاؤں ہے۔ جہاں بعض حضرات صحابہ عبداللہ بن رواحہ اور زید بن حارثہ اور جعفر طیار وغیرہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی قبور ہیں۔ یہاں کے عرب باشندوں کا کہنا ہے کہ جس جگہ صحابہ کرام شہید ہوئے ہیں وہاں پیر اور جمعہ کے دن تلواروں کی جھنکار اور گھوڑوں کی ٹاپوں کی آوازیں سنائی دیتی ہیں۔ اسلامی تاریخ کا غزوۂ موتہ اسی جگہ سے منسوب ہے۔

آگے جاکر تقریباً معان سے بارہ میل ایک راستہ جانب شمال "البترا" (پٹرا) کی طرف جاتا ہے۔ جہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وادی ہے۔ جو انتہائی سرسبز و شاداب ہے۔ وہاں ہارون

علیہ السلام کی قبر بھی بتاتے ہیں۔ یہاں مغایر شعیبؑ وہ مقام ہے جہاں شعیب علیہ السلام رہتے تھے اور مشہور ہے کہ "مدین" اس جگہ کا نام تھا اور بعض لوگ "سلط" کے قریب مدین کو بتاتے ہیں۔

اس وادیٔ موسیٰ اور مقام "بتراء" کو دیکھنے کیلئے موڑ پہ دو بسیں کھڑی ہوئی دیکھیں جن پہ LONDON TO BOMBY (لندن سے بمبئی تک) لکھا ہوا تھا۔ یہ سیاح خشکی کے راستہ پر لندن سے یہاں تک آئے ہوئے تھے اور بمبئی تک کا سفر کرنے کا ارادہ رکھتے تھے۔ بتراء (پٹرا) پہاڑوں کے اندر ہمارے ہاں کے موہنجوڈارو اور ٹیکسلا کی طرح عہد قدیم کے تراشیدہ مکانات، محلات اور آثار قدیمہ کی ایک تاریخی جگہ ہے۔

بندرگاہ عقبہ میں | عشاء کے وقت ہماری بس عقبہ پہنچ کر "مدینۃ الحجاج" (حاجی کیمپ) کے دروازے کے پاس کھڑی ہوگئی۔ سینکڑوں پاکستانی بس کی طرف دوڑے۔ بس سے اتر کر یوں محسوس ہو رہا تھا کہ ہم پاکستان کے کسی شہر میں جا اترے ہیں۔ کیمپ میں بارہ سو تک پاکستانی زائرین حجاز جمع ہوئے تھے۔ فروری کے مہینہ میں یہاں موسم بہار جیسا تھا۔ گرم کوٹ، کمبل اتارنے پڑے۔ کیمپ کے برآمدے اور باہر کا میدان بھرا ہوا تھا۔ بمشکل ایک گوشہ میں جگہ میسر ہوئی۔ یہ حاجی کیمپ دراصل "شام" سے آنے والے حاجیوں کے لئے تعمیر کیا گیا ہے۔ جو "شام" سے بسوں کے ذریعہ آکر ایک دن رات کے لئے ٹھہرتے ہیں۔ اور پھر دوسرے دن صبح بحری جہاز سے جدّہ چلے جاتے ہیں۔ پاکستانی حجاج کا یہ پہلا موقعہ ہے کہ عقبہ سے بحری راستہ سے گئے ورنہ عمان تک پاسپورٹ سے آنے والے حجاج تبوک کے خشک راستہ سے جایا کرتے تھے۔ کیمپ کے برآمدوں کی چھتیں گتوں اور پلائی وڈ کی ہیں۔ یہ اللہ کا شکر ہے کہ یہاں سردی نہیں تھی اور نہ بارش کا خطرہ تھا۔ ورنہ اس کیمپ میں رہنا انتہائی مشکل ہوتا۔

ایلہ | صبح ہم اس جگہ کو دیکھنے کیلئے روانہ ہوئے جو حاجی کیمپ سے ڈیڑھ میل کے فاصلہ پر جانب مغرب کو بحیرۂ احمر کے کنارے پر واقع ہے جس کے بارے میں مشہور ہے کہ یہاں بنی اسرائیل پر ہفتہ کے دن مچھلیوں کے شکار کی وجہ سے عذابِ خداوندی نازل ہوا تھا جس سے وہ بندر بن گئے تھے۔ یہاں انہوں نے تالاب بنایا تھا اور بحیرۂ احمر سے ایک چھوٹی نہر کے ذریعہ اس تالاب کو آب رسانی کی تجویز بنائی تھی۔ سورۂ بقرہ میں وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِيْنَ اعْتَدَوْا مِنْكُمْ فِي السَّبْتِ (الآیۃ) اور اسی طرح سورۂ اعراف میں وَاسْئَلْهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ الَّتِيْ كَانَتْ حَاضِرَةَ الْبَحْرِ۔ میں اس قوم کی تباہی کا ذکر ہے۔ اکثر مفسرین اس بستی سے "ایلہ" مراد لیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے یہود کو ہفتہ کے دن شکار سے منع فرمایا تھا۔ مگر اہل "ایلہ" نے حکم خداوندی کی نافرمانی کی اور اسی دن مچھلیوں کے شکار کرنے کیلئے

عجیب حیلہ تجویز کرنے لگے۔ دریا سے کچھ فاصلے پر تالاب بنایا اور ایک نہر کے ذریعہ سے پانی تالاب میں لے آئے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ کی آزمائش تھی کہ ہفتہ کے دن مچھلیاں پانی کی سطح پر آجاتی تھیں اور دیگر دنوں میں غائب رہتیں۔ ہفتہ کے دن صبح بند کھول کر تالاب میں پانی پہنچایا جاتا اور اسی پانی میں مچھلیاں بھی چلی جاتیں اور شام کو پانی بند کر دیا جاتا اور اتوار کی صبح کو اس تالاب سے مچھلیاں پکڑ لی جاتیں۔ یہ حیلہ سازی ان کے لئے باعث ہلاکت ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں مسخ کر کے بندر بنا دیا اس جگہ سے دو میل مغرب کی طرف ایلات کے نام سے خلیج عقبہ کے سرے پر اسرائیل کی بندرگاہ ہے۔ ایلات کی پہاڑیوں کے اس طرف (جانب مغرب) صحرائے سینا ہے۔ "عقبہ" اردن کی بندرگاہ ہے۔ اور "ایلات" یہود کی۔ یہ دونوں بندرگاہیں آمنے سامنے بحیرۂ احمر کے شمالی سرے میں واقع ہیں عقبہ کی اس بستی کی وجہ سے یہ خلیج "خلیج عقبہ" کے نام سے موسوم ہے۔ عقبہ کی آٹھ میل کی مسافت پر "الحقل" ہے جو سعودی عرب کی بندرگاہ ہے۔ سعودی عرب کی سرحد یہاں سے دو ڈھائی میل کے فاصلہ پر ہے۔ عقبہ میں اکثریت فلسطینی مہاجرین کی ہے۔ جو اکثر "غزہ" اور "بئیر سبع" کے علاقوں سے نکالے گئے ہیں۔ اہل عقبہ دینی لحاظ سے قابل رشک ہیں۔ ان کی سادہ زندگی اور دینی ولولہ۔ حسن اخلاق اور اکرام ضیوف موجب صد ستائش ہے۔ نماز کے وقت مساجد نمازیوں سے بھر جاتی ہیں۔ یہاں کی عورتیں باپردہ ہیں۔

بعض پاکستانیوں کی ناشائستہ حرکات | ہمارے پاکستانیوں میں بعض سندھیوں کی عورتیں جب بے پردہ بازاروں میں گھومتی تھیں تو بعض عرب بھائی انتہائی افسوس کے ساتھ ہمیں شکایت کرتے تھے۔ کہ ان عورتوں کے مردوں کو سمجھا دو کہ وہ ان کو بازاروں میں گھومنے سے منع کریں۔ بدقسمتی سے سندھیوں میں بعض ایسے لوگ بھی ہمارے قافلہ میں شامل تھے۔ جو محض تجارت اور طلب زر کے لئے اپنے گھروں سے نکل کر خانہ بدوش ہو گئے ہیں۔ یہ لوگ ایران کے شہروں میں بھیک مانگتے مانگتے عراق پہنچتے ہیں۔ پھر وہاں یہ طور طریقہ جاری رہتا ہے۔ یہاں تک کہ حجاز پہنچ جاتے ہیں۔ یہاں انہوں نے کھجوروں کے باغات کے تمام کواڑ چوری کر کے جلا دئے ہیں۔ اس قسم کے لوگ پاکستان کی نیک نامی کی راہ میں حائل ہوتے ہیں۔ عراق کے مشہور اخبار "الدستور" میں ایک پاکستانی بھکاری لڑکی کی تصویر شائع ہوئی تھی۔ جس کے ضمن میں حکومت اردن سے مطالبہ کیا گیا تھا کہ ایسے لوگوں کو اس شہر سے دور کر دیا جائے۔

ہمارے قافلے میں اکثریت معزز اور شریف پاکستانیوں کی تھی۔ ہمارے ساتھ کچھ حاجی

بھارت اور افغانستان کے تھے۔ اہلِ عقبہ کے دینی جذبات کو دیکھ کر میرے ایک مخلص دوست حاجی محمد یوسف صاحب آسامی (جو شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید اور تبلیغی جماعت سے وابستہ ہیں۔) نے مجھے عقبہ کی جامع کبیر (بڑی مسجد) میں نماز مغرب کے بعد تبلیغ کرنے کے لئے کہا۔ میں نے معذرت کی کہ عرب مسلمانوں کے سامنے ایک عجمی کیسے تبلیغ کر سکتا ہے۔ مگر ان کے شدید اصرار پر مجھے نماز مغرب کے بعد کچھ مسائل بیان کرنے پڑے۔ زندگی میں یہ میری پہلی تقریر تھی جو عرب بھائیوں کے مجمع میں عربی زبان میں تھی۔ پاکستانیوں سے ویسے بھی اردنی مسلمانوں کو دلی محبت ہے۔ پھر جب انہوں نے ٹوٹی پھوٹی عربی زبان میں قرآن و حدیثِ رسولؐ کا ذکر ایک پاکستانی کی زبان سے سنا تو اہلِ عقبہ بہت خوش ہوئے اور ان میں سے چند نوجوانوں نے مجھے "جامع صغیر" (چھوٹی مسجد) میں عشاء کی نماز کے بعد سورۂ بقرہ کی ابتدائی آیات پر درس دینے کا کہا۔ عرب نوجوان بھائیوں کی حوصلہ افزائی سے انکی اس فرمائش کی تعمیل میرے لئے باعثِ مسرت تھی۔ اس مجلس میں لسبوں کی کمپنی کے ایک ڈائریکٹر "ابو خلدون" نے مجھے پاکٹ سائز کے قرآن مجید کا گرانقدر تحفہ بطور انعام دیا۔ عشاء کی نماز جامع صغیر میں پڑھی۔ وہاں کافی عرب جمع ہوئے تھے۔ نماز کے بعد سورۂ بقرہ کے ابتدائی رکوع کا ترجمہ اور تشریح۔ استاذِ مکرم حضرت شیخ التفسیر مولانا احمد علی صاحبؒ اور استاذِ مکرم حضرت حافظ الحدیث مولانا عبداللہ صاحب درخواستی دامت برکاتہم کے نہج پر بیان کیا۔

دارالعلوم دیوبند اور اس کے اکابر کے تذکرے | کالج کے ایک طالب علم نے دریافت کیا کہ آپ عرب ممالک کی کسی یونیورسٹی کے فارغ ہیں۔ میں نے کہا میں پاکستان کے مذہبی مدارس ہی سے فیض یافتہ ہوں۔ پھر اس نے پوچھا کہ ان مدارس کے اساتذہ جامعہ ازہر یا جامعہ دمشق کے سند یافتہ ہوں گے۔ میں نے بتایا کہ ہمارے اساتذہ کی اکثریت دنیا کی عظیم ترین مذہبی درسگاہ "دارالعلوم دیوبند" کی سند یافتہ ہے۔ طالب علم نے دارالعلوم دیوبند کے حالات و کوائف دریافت کئے اور کہا کہ آپ بھی وہاں کے فارغ ہیں۔ میں نے بتایا کہ میں "دارالعلوم حقانیہ" اکوڑہ خٹک کا سند یافتہ ہوں۔ دارالعلوم حقانیہ دارالعلوم دیوبند کا عکس ہے۔ دارالعلوم حقانیہ کے بانی حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب ہیں جو دارالعلوم دیوبند کے فارغ ہیں اور وہاں استاد بھی رہ چکے ہیں۔ دیگر اکثر اساتذہ بھی دیوبند کے فارغ ہیں ۔ اکثر نوجوانوں نے میرا پتہ نوٹ کیا اور خواہش ظاہر کی کہ "ہم کوشش کریں گے کہ دارالعلوم حقانیہ میں چند دن رہ کر آپ کے مشائخ و اساتذہ کی علمی و روحانی فیوضات سے استفادہ کریں"۔ انہوں نے کہا کہ اگر ان بزرگوں کے علوم و معارف عربی زبان میں شائع ہو جائیں تو عرب بھی ان سے استفادہ کر

سکیں گے ـــــ آدھی رات تک اکابرین دیوبند کی سوانح اور ان کے علمی، عملی، مذہبی، سیاسی کارہائے نمایاں کے تذکرے عرب انتہائی مسرت کے ساتھ سنتے رہے۔ اور بار بار خوشی کا اظہار فرماتے کہ اسلام کے جان نثار مجاہد پاک و ہند میں بھی موجود ہیں۔ میں نے ان سے اجازت مانگی۔ ان میں سے ایک نوجوان "علی مرافی" (جو دائرۃ میناء العقبہ میں ملازم ہے) نے مجھے آئندہ رات اپنے مکان پر آنے کی دعوت دی اور کہا کہ میرے ساتھی آپ کے منتظر ہوں گے ـــــ

ہم مقررہ وقت پر ٹیکسی میں وہاں پہنچے۔ بندرگاہ کے اکثر ملازمین جمع ہوئے تھے۔ پہلے انہوں نے قہوہ پیش کیا پھر چائے پلائی۔ چائے نوشی کے بعد چند آیات کا ترجمہ و تشریح بیان کیا۔ ان میں سے ایک نے التحیات للہ والصلوات۔ الخ کا مفہوم و تشریح دریافت کیا۔ مجھے حضرت الشیخ مولانا عبدالحق صاحب دامت برکاتہم کی وہ تقریر یاد تھی جو انہوں نے اس موضوع پر درس ترمذی شریف میں فرمائی تھی۔ میں نے وہی بیان کی۔ علی مرافی اور اس کے ساتھی بہت متاثر ہوئے اور کہنے لگے کہ التحیات کا معنی و مفہوم اب ہمارے ذہن میں آگیا، حالانکہ عربی ہماری اپنی زبان ہے۔ مگر اس تشریح سے مطالب سمجھ میں آئے۔

عرب بھائیوں کا خلوص | میں عقبہ میں جتنے دن رہا ہر رات کسی نہ کسی دوست کے مکان پر درس قرآن کا سلسلہ جاری رہا۔ حاجی احمد موسیٰ الریاطی، عبداللہ الریاطی، طاہر ہاشم عابدین، محمد قاسم اشبول، ابو ابراہیم الضابط، ابو سلامۃ محمود الکبریتی، عرفات الدویک، ابو خلدون اور دیگر بھائیوں کی دعوتوں میں کچھ بیان کرنے کے مواقع اللہ تعالیٰ نے میسر فرمائے۔ عرب بھائیوں کی دعوتیں بہت پُر تکلف ہوتی ہیں۔ اور قہوہ کا دور جاری رہتا ہے۔ ہر دو منٹ بعد صاحب دعوت مہمانوں کو یا مرحبا بکم اھلاً و سھلاً کے کلمات سے تواضع کرے گا۔ ایک دفعہ دعوت کے بعد ایک صاحب نے ایک عجیب دعا کی جس کے بعض کلمات مجھے اب تک یاد ہیں۔ اَللّٰھُمَّ یَا خَالِقَ العِبَادِ اَخْلِفْ عَلٰی مَنْ بَذَلَہٗ ۔ وَھَنِّیْ مَنْ اَکَلَہٗ ۔ وَارْزُقْنَا بِمِثْلِہٖ فِی العَجَلَۃِ العَجَلَۃِ۔

ملتان کے حکیم احسان الحق صاحب اکثر و بیشتر دعوتوں میں میرے ساتھ مدعو ہوتے تھے۔ حکیم صاحب کے علاج سے وہاں کافی مریضوں کو اللہ تعالیٰ نے شفا دی۔ عرب پاکستانی حکماء کے بہت معتقد ہیں رات کا اکثر حصہ تو اہل عقبہ کے ساتھ درس قرآن اور دیگر باتوں میں گذر جاتا۔ مگر دن کے اوقات بمشکل گذرتے ـــــ

جہاز کیلئے ٹیکٹی والوں کا ناں نوڑلی | جہاز کے انتظار نے پریشان کر رکھا تھا کیونکہ ۱۰ فروری کو

تمام حاجی اپنا اپنا سامان باندھ کر منتظر جہاز تھے۔ ٹکٹوں پر کمپنی والوں نے جہاز کی روانگی کی تاریخ ۸ فروری لکھی تھی۔ اور جہاز کا نام "الملک عبدالعزیز" لکھا تھا۔ ۱۰ فروری کی عصر کو کمپنی والوں کو ہم نے ٹیلیفون کیا انہوں نے معذرت کی کہ راستہ میں طوفان آنے کی وجہ سے جہاز بر وقت نہ پہنچ سکا۔ دو دن مزید انتظار کرنا پڑا۔ دو دن بھی گذرے مگر جہاز نہ آیا۔ جب کوئی جہاز دور سے سمندر میں دکھائی دیتا تو کیمپ میں شور وغل برپا ہوتا اور حاجی لوگ اپنا اپنا سامان باندھ لیتے اور جب تحقیق سے معلوم ہو جاتا کہ یہ مسافر بردار جہاز نہیں یا شامیوں کے لئے ہے تو انتہائی رنج وغم کا سامنا ہوتا۔ بعض حاجی تو صبح سے لیکر شام تک ساحلِ سمندر پر جہاز کے انتظار میں بیٹھے رہتے۔ بجائے دو دن کے پندرہ دن گذرے۔ ایام حج قریب ہونے لگے۔ رفتہ رفتہ حاجیوں میں افواہ پھیل گئی کہ یہ غدار کمپنی ہے اور ہمیشہ سے حاجیوں کے ساتھ دھوکہ کرتی ہے۔ اس دفعہ بھی کمپنی والوں نے ہمارے ساتھ دھوکہ کیا ہے۔

افغانستان کے پندرہ حاجیوں نے واپس عمان جا کر کمپنی سے اپنی رقم واپس لے لی اور تبوک کے راستے پر جانے والی بسوں کی ٹکٹیں خریدیں۔ کیمپ میں سترہ سو پاکستانی حاجی جمع ہو گئے تھے۔ مگر جہاز کا نام ونشان تک نہیں تھا۔ کیمپ کے تمام ساتھیوں نے مجھے مجبور کر دیا کہ آپ رئیس المتصرفیہ (ڈپٹی کمشنر) کو صورت حال سے آگاہ کیجئے۔ میں نے براہِ راست رئیس المتصرفیہ کے پاس جانا مناسب نہ سمجھا۔ چونکہ عربی ممالک میں علماء اور خطباء عوام وخواص کے مقتدا ہوتے ہیں اور بڑے بڑے حکام اہل علم کو احترام وعزت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ اس لئے میں نے یہاں کے بڑے قاضی شیخ معوض عوض کو سارا ماجرا سنایا جو پورٹ سعید (پورٹ سعید) کے باشندے ہیں۔ اور یہاں مبعوث الازہر کی حیثیت پر وعظ وارشاد کے عہدہ پر کام کر رہے ہیں۔ انتہائی ہمدرد اور پاکستانیوں سے محبت رکھنے والے ہیں۔ فقہ وتفسیر میں محقق عالم اور مضمون نگار ہیں۔ کئی تصانیف کے مالک بھی ہیں۔ خاصکر قبس من الاسلام اور الاسلام والاسرۃ ان کی مشہور تصانیف ہیں۔

شیخ معوض نے رئیس المتصرفیہ کو ٹیلیفون پر حالات سے آگاہ کیا اور کمپنی کی دغابازیوں اور مسلسل وعدہ خلافیوں کا ذکر کیا۔ رئیس نے اسی وقت کمپنی کے مدیر "ابوغسان" کو ٹیلیفون کیا کہ بہت جلد باخرہ (بحری جہاز) کا انتظام کیا جائے ورنہ آپ قانون کے مجرم ثابت ہوں گے۔ کمپنی والے نے رئیس کو بھی جھوٹے وعدوں سے ٹال دیا۔ تین چار دن کے بعد تمام پاکستانی رئیس کے دفتر میں گئے اور شکایات کیں۔ انہوں نے مدیر امن العام (انسپکٹر جنرل پولیس) کو فون کیا۔ عصر کے وقت مدیر امن العام نے آکر حاجی کیمپ کا معائنہ کیا اور ہمیں تسلی دی کہ ہم فوری طور پر انتظام کر دیں گے۔

عقبہ کی تعاون کمپنی کے چیئرمین اور دیگر شرفائے بستی نے تمام حکام کے سامنے ہماری پریشانیوں کا تذکرہ کیا۔ ہم اہالیانِ عقبہ کی شبانہ روز ہمدردیوں اور تلطفات کے تاحیات سپاس گزار رہیں گے خاصکر احمد الضابط جن کی دوکان پاکستانیوں کی مشورہ گاہ تھی اور ان کا ٹیلیفون چوبیس گھنٹے ان کے لئے وقف تھا۔ "البرق والبرید" محکمہ تار و ڈاک کے انچارج ابو سلامہ محمود الکبارتی نے ہمیں مجبور کیا تھا کہ آپ اردنی حکومت میں جہاں بھی ٹیلیفون کرنا چاہیں آپ اسکی قطعاً فیس نہیں دیں گے۔ ایک دفعہ میں نے عمان کیلئے ڈاک خانہ سے کال بک کی۔ جب میں نے کمپنی والوں سے فون پر بات کرلی۔ تو آخر میں ابو سلامہ فون پر کہنے لگے کہ آپ نے ڈائرکٹ کیوں مجھے نہ بتایا کہ میں آپ کو عمان کا فون ملا دیتا۔ اور پوسٹ ماسٹر کو کہنے لگا کہ مولانا سے فیس نہ لیں۔ یہ فیس میں دوں گا۔

۲۷ ذی قعدہ کو کیمپ کے اکثر حاجیوں نے مجھے کہا کہ آپ اپنی مرضی سے ایک ساتھی ہم میں سے منتخب کر کے عمان چلے جائیں اور وہاں اپنی جدوجہد سے کمپنی والوں کے ظلم و استبداد سے تمام بھائیوں کو چھڑائیں۔ میری طبیعت چونکہ علیل تھی۔ اس لئے میں نے اس طویل سفر سے معذرت کی۔ جبکہ عمان میں برف باری کا موسم تھا۔ مگر سن رسیدہ بوڑھوں اور بوڑھی ماؤں کے شدید اصرار نے عمان کی سخت سردی کی طرف دوبارہ جانے پر آمادہ کیا۔ "سفر حج میں سب سے بڑھ کر نیکی حاجیوں کی خدمت ہے" خدمتِ حجاج کے نیک ارادہ پر میں نے اپنے ساتھ ملتان کے بھائی رحمت علی صاحب کو منتخب کیا جو انتہائی مخلص اور سمجھدار ہیں۔ حاجی محمد شفیع زرگر ملتان والے بھی ہمارے ساتھ جانے کو تیار ہوئے۔ شام کے وقت ٹیکسی میں بیٹھ کر آدھی رات کو عمان پہنچے۔ رات ایک ہوٹل میں گذاری۔ صبح استاد خلیفہ عبدالرحمان "المحامی" (ایڈوکیٹ) کے پاس گئے جن کے نام ہمیں سفارشی خط دیا گیا تھا۔ استاد معروف عمان کے مقبول اور معزز صاحب اثر و رسوخ علماء میں سے ہیں۔ وہ اپنے دفتر سے ہمارے ساتھ روانہ ہو کر کمپنی کے مدیر کے پاس آکر مدیر کو کافی ڈانٹا۔ مدیر نے کہا میری طرف سے کوئی کوتاہی نہیں ہوئی۔ سعودی سفارت خانے کی طرف سے ممانعت ہے۔ استاد نے مدیر کو کہا جب آپ کے بس میں ویزا حاصل کرنا نہیں تو کس لئے ان ستر سو پاکستانیوں کو اپنے ساحل بحیرہ احمر پر پھینک دیا ہے۔ استاد نے کہا کہ آپ ایک درخواست شاہ حسین کے نام لکھ کر "قصر الملک شاہی محل" میں چلے جائیں اور شاہ حسین سے ملاقات کر کے تفصیلی احوال اسکو سنائیں اور میں تو بھی اس سے شام کے وقت اس بارے میں ملوں گا۔ استاد موصوف نے کمپنی کے دفتر سے وزارتِ خارجہ کو ٹیلیفون کیا اور نائب وزیر خارجہ ناجم التل سے ٹائم مقرر کیا کہ دونوں شام کے وقت شاہ حسین کی ملاقات

کیلئے قصر الملک جائیں گے۔

حجاج کے معاملہ میں شاہ حسین کی دلچسپی | ہم درخواست لکھ کر شاہ حسین کے محل میں گئے۔ دروازے پر مقررہ پولیس افسر نے ہماری درخواست دیکھ کر ہمارے لئے اندر جانے کی اجازت طلب کی۔ مگر جواب ملا کہ شاہ حسین عمان میں متعین ایرانی سفیر کی وفات ہونے کی وجہ سے سفیر کی کوٹھی پر جا رہا ہے پولیس آفیسر نے انتہائی خلوص و مودت سے ہماری درخواست لے کر ہم کو ہفتہ کی صبح ملاقات کیلئے کہا۔ مغرب کے وقت میں نے اپنے دونوں ساتھیوں کو کہا کہ کل جمعہ ہے۔ دفاتر بند رہیں گے۔ اگر مناسب سمجھیں تو یہ رات اور جمعہ کا دن بیت المقدس میں بسر کر لیں گے۔ انہوں نے میری تجویز پسند کر کے اومنی بس میں "عبدلی" جانے کو کہا "عبدلی" سے ٹیکسی میں بیٹھ کر بیت المقدس روانہ ہوئے۔

جب ہم وہاں پہنچے مسجد اقصیٰ میں عشاء کی نماز ہو گئی تھی۔ رات زاویہ ہندیہ میں گذاری صبح کو جبل زیتون اور بیت اللحم کی دوبارہ سیر کی۔ واپسی پر مسجد اقصیٰ میں نماز جمعہ ادا کی۔ ترکی حاجیوں کی وجہ سے مسجد اقصیٰ بھر گئی تھی۔ اس جمعہ میں اندازاً بیس ہزار نمازی شامل ہوئے تھے۔ فلسطین کے مفتی امین الحسینی نے تقریر کی۔ دوپہر کا کھانا ہم نے انکل موسٹیر (ماموں مچھلو) کے ہوٹل میں کھایا۔ اکثر پاکستانی اس ہوٹل میں کھانا کھاتے ہیں۔

جمعہ کی نماز کے بعد ہم اریحا روانہ ہوئے۔ وہاں رات گذار کر صبح موسیٰ علیہ السلام کے روضہ کی زیارت کے لئے گئے وہاں سے ایک میل پیادہ آکر (الطریق المزفت) پختہ سڑک سے عمان کی بس میں سوار ہوئے۔ عمان میں بس سے اتر کر سعودی سفارت خانہ روانہ ہوئے۔ معلوم ہوا کہ شاہ حسین کی خصوصی سفارش پر پاکستانیوں کو ویزا کی اجازت مل گئی ہے۔ انتہائی مسرت نصیب ہوئی۔ خدا تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ادا کیا۔ عقبہ کو مبارک بادی کا ٹیلیفون کیا اور شکریہ ادا کرنے کے لئے استاد عبدالرحمان کے ہاں گئے۔ استاد موصوف کہیں باہر تشریف لے گئے تھے۔ اس لئے کاغذ پر شکریہ کے کلمات لکھ کر اس کے سیکرٹری جودت عبدالنبی" کے حوالہ کر دیا۔ عصر کے وقت ٹیکسی میں بیٹھ کر عشاء کی نماز سے قبل عقبہ پہنچے۔ سیدھے احمد الضابط کی دوکان پر گئے۔ وہاں عقبہ کے عرب دوست ہمارے آنے کے منتظر تھے۔ عرب دوست ہم سے گلے ملتے اور ہمارے سروں اور پیشانیوں کو بوسہ دیتے جیسا کہ عرب خوشی کے موقعہ پر کرتے ہیں۔ ہم نے اُن کا شکریہ ادا کیا۔ پاکستانیوں کو پتہ چلا تو کیمپ سے جلوس کی شکل میں آئے۔ بعض نے رنگین کاغذوں کے ہار بنائے تھے، اور ہمارے گلوں میں ڈالنے لگے۔ تمام رات خوشی میں گذری۔۔۔ شاہ حسین انتہائی رحم دل اور قوم پرور بادشاہ ہے۔ پاکستانیوں

کے خاندان سے بہت محبت ہے۔

۳۰ ذی قعدہ کو پاسپورٹ وغیرہ مکمل کر کے کمپنی والوں نے عقبہ پہنچا دیئے۔ شام کو محمود الکبریتی مدیر دائرۃ اللاسلکیۃ بمیناء عقبۃ (محکمۂ وائرلیس) کے مدیر سے "ملک عبد العزیز" جہاز کے بارہ میں دریافت کیا۔ اس نے بذریعہ فون جواب دیا کہ "عرفات" نامی جہاز پاکستانیوں کے لئے جدہ سے تین دن ہوئے ہیں روانہ ہو گیا ہے۔ شاید کل رات تک پہنچ جائے۔ اسی اثناء میں یہ رنج دہ اور المناک واقعہ پیش آیا۔ کہ تقریباً ستر پاکستانی مرد و عورتوں کے پاسپورٹ پر سعودی سفارت خانہ کا ویزا نہیں لگایا گیا تھا اور بعض کے پاسپورٹ ہی گم ہو گئے تھے۔ ان بھائیوں نے مجھے سے بارہ عمان جانے پر مجبور کیا۔ میرے قریبی دوستوں نے ان کو سمجھایا کہ آپ خود چلے جائیں جبکہ جہاز کی آمد چوبیس گھنٹوں کے اندر متوقع ہے۔ ہم نے رئیس المتصرفیہ کو اس تشویشناک معاملہ سے مطلع کیا اور اس سے معاونت کی درخواست کی رئیس نے سفارت خانہ کو اطلاع دی۔ ان ستر افراد میں سے چار عمان چلے گئے اور صبح ان کو خشکی کے راستہ کا ویزا مل گیا۔ ان کے لے جانے کے لئے ایک بس عمان سے آئی اور ان کو عقبہ سے معان تبوک کے راستہ لے جایا گیا۔

۱۰ ذی الحجہ کی صبح کو جہاز بندرگاہ پر کھڑا ہوا تھا۔ اطلاع ملی کہ سامان باندھ لو۔ بلدیہ (ٹاؤن کمیٹی) کے ٹرکوں میں سامان اور بسوں میں حاجیوں کو رصیف (پلیٹ فارم) تک پہنچایا جائے گا۔ اسی اثناء میں کبریتی صاحب نے یہ المناک خبر بھی سنادی کہ جہاز صرف پانچ سو مسافروں کے لئے ہے۔ یہ خبر دے لئے سوہان روح تھی کہ پانچسو ساتھی چلے جائیں گے۔ اور باقی بارہ سو رہ جائیں گے۔ یہ خبر تمام حاجیوں میں پھیلی۔ ہر ایک اس کوشش میں تھا کہ سب سے پہلے جہاز میں سوار ہو جائے۔ جب دروازہ کھلا تو تمام حاجی پروانہ وار جہاز کی طرف دوڑے اور تقریباً تین چار فرلانگ کا راستہ طرفۃ العین میں طے ہوا۔ دیکھا تو باخرہ عرفات کھڑا تھا۔ عرفات کے پیارے کلمے سے انتہائی اطمینان و سرور ہوا۔ پولیس کے آفیسر اور سپاہی کافی تعداد میں جہاز کی سیڑھیوں پر ترتیب وار کھڑے تھے۔۔۔ مگر پاکستانیوں کے سیلاب نے سیڑھیوں کو توڑ ڈالا۔ بعض تو جہاز میں چھلانگیں لگا کر سوار ہوئے۔ پولیس نے نظم و ضبط قائم کرنے کے لئے لاٹھی بھی چلائی۔ مگر رضائے مولیٰ کی طلب میں سفر کی بے شمار صعوبتیں برداشت کرنے والے پاکستانیوں کے لئے لاٹھیوں کی یہ دھمکیاں کب اثر کر سکتی تھیں۔ دیار حبیب تک پہنچانے والی سواری سامنے رصیف پر روانہ ہونے کے لئے مستعد تھی۔ مختلف حکومتوں کے سفارت خانوں میں کئی کئی دن دھکیلے جانے والے۔ راستہ میں مختلف پاکستانی

انجنوں کے فریب وظلم سے نجات پانے والے سردیوں، بارشوں اور برف باریوں کے مصائب سے آشنا۔ اہل وعیال سے طویل مفارقت کے عادی تھوڑے وقت میں سینۂ سمندر پر سوار ہوئے "مدینۃ الانعام" (انسپکٹر جنرل پولیس) چلاتا رہا کہ یہ تو چھوٹا جہاز ہے۔ اتنے مسافروں کو کیسے لے جا سکے گا۔ مگر کمپنی کے مالک نے جہاز کے کیپٹن کو رشوت کا لقمہ دے کر اسے ہمنوا بنا دیا تھا۔ کیپٹن نے کہا کہ یہ میری ذمہ داری ہے۔ عقبہ کے احباب واکابر ہمیں الوداع کرنے کے لئے رصیف پر کھڑے تھے۔

جہاز کی روانگی | عصر کے وقت جہاز نے سیٹی بجائی۔ جہاز کا لنگر اٹھا اور آہستہ آہستہ جہاز رصیف سے جدا ہوا۔ دو فرلانگ کی مسافت پر جا کر سمندر میں کھڑا ہوا۔ آدھی رات کے وقت جہاز روانہ ہوا۔ خوشی کے مارے کسی کو نیند نہ آئی۔ تمام رات دیار حبیبؐ کی باتیں ہوتی رہیں۔ احکام حج کا تذکرہ ہوتا رہا۔ الحمدللہ کہ عقبہ میں پچیس روزہ قیام انتہائی دلجمعی وسکون سے بسر ہوا۔ تمام ساتھی بخیریت رہے۔ البتہ ہم سے ایک رفیق مقبرۂ عقبہ میں سمندر کے کنارے رہ گیا جس نے اپنی بیوی کو اپنی موت سے تین دن قبل نیند سے اٹھا کر بتایا تھا کہ میں اب اس دنیا سے رخصت ہونے والا ہوں اور آپ کی مزید رفاقت مجھے نصیب نہ ہوگی۔ کیونکہ میں نے نیند میں یہ کلمات سنے "اب دنیا کو چھوڑ کر ہمارے پاس آنا" بیوی نے اسکو تسلی دی۔ ساتھیوں نے اسکو سمجھایا کہ یہ پراگندہ خواب ہیں۔ آپ کو اللہ تعالیٰ طویل زندگی دے اور حرمین شریفین کی زیارت سے سرفرازی بخشے ــــ مگر وہ روتا رہا۔ ہر وقت مولیٰ سے بخشش ومغفرت طلب کرتا رہا۔ دوسرے دن گوشت کھانے سے اسے ہیضہ کی شکایت ہوئی تیسرے دن عقبہ کے بڑے ہسپتال میں شہادت پائی۔ اسکی بیوی کا صبر واستقلال دیکھنے کے قابل تھا کہ وہ ذکر واذکار میں مصروف تھی۔ پاکستانیوں نے اسکی تجہیز وتکفین کے لئے چندہ جمع کیا مگر عقبہ کی ٹاؤن کمیٹی نے تمام اخراجات اپنی طرف سے کئے اور وہ رقم اسکی اہلیہ کو بطور اعانت دیدی گئی۔ افسوس کہ وہ بے چاری بیوہ بھی ان ستر میں سے ایک تھی جو خشکی کے راستہ پر روانہ ہوئے۔ صبح اٹھے تو جہاز مضیق اور شرم الشیخ سے گذرنے والا تھا۔ مضیق وہ تنگ جگہ ہے جہاں سے بمشکل ایک جہاز گذر سکتا ہے۔ صحرائے سینا ہم سے جانب مغرب کو رہ گیا تھا۔ اور بحیرۂ قلزم یہاں سے آٹھ گھنٹوں کی مسافت پر تھا۔ جہاز میں نماز باجماعت ہوتی رہی۔ حج کے مسائل و احکام کا ذکر ومذاکرہ ہوتا رہا۔ عقبہ میں دوران قیام میں حج کے اکثر مسائل سے ساتھیوں کو مختلف علماء نے روشناس کرا دیا تھا ــــ رات کو ستاروں کی چمک اور سمندر میں ستاروں کا عکس اور سمندر پر دور دور جہازوں کی بجلیاں عجب دلکش نظارہ پیش کر رہی تھیں۔ دن کو جہازوں کی فلک بوس چمنیں

وَلَهُ الْجَوَارِ الْمُنْشَئٰتُ فِی الْبَحْرِ کَالْاَعْلَامِ۔ (اور خاص کر اللہ ہی کے قبضۂ قدرت میں ہیں جہاز جیسے اونچے جہاز اور کشتیاں) کا نقشہ پیش کر رہی تھیں۔

اکثر لوگوں نے اس خیال سے کہ جہاز والے کھانا کھلائیں گے جیساکہ عام دستور ہے، عقبہ سے اشیاء خوردنی نہ خریدیں۔ جہاز روانہ ہونے کے بعد معلوم ہوا کہ کھانا اپنے ذمہ ہوگا۔ دو دن رات تو ساتھیوں نے ایک دوسرے کو کھانا کھلایا۔ مگر تیسرے دن کھانے کی چیزیں ختم ہوگئیں جہاز میں ایک کمیٹی تشکیل دی گئی جو تمام حاجیوں کے پاس گئی۔ اور انہیں کہاکہ جن کے پاس زیادہ آٹا یا چاول موجود ہوں وہ اپنے لئے صرف دو دن کا ذخیرہ رکھ کر باقی تمام ذخیرہ، اپنے ساتھیوں کو مناسب قیمت پر دے دیں۔ جدہ میں پھر آٹا اور چاول کی بہتات ہے۔ اکثر حاجیوں کی اشیاء خورد و نوش سٹور میں ڈالی گئی تھیں۔ کیپٹن نے ماتحت عملہ کو سٹور کھولنے کا حکم دیا۔ وہاں سے لوگوں نے اپنا اپنا سامانِ خوراک نکال کر اپنے احباب میں مناسب دام پر فروخت کر دیا۔ اللہ تعالےٰ نے فاقہ کشی کا یہ مشکل مسئلہ بھی حل فرمایا۔ اب ایک دوسری مشکل سامنے آئی، وہ یہ کہ کمپنی کے ایک حصہ دار ہمارے ساتھ شریکِ سفر تھے۔ جہاز کے ایک کلرک کو (جو ٹکٹوں اور پاسپورٹوں کی انطباق پر مامور تھا) کہاکہ یہ تمام پاسپورٹ جدّہ میں مجھے ملنے چاہئیں اور اسکی مصلحت یہ تھی کہ ان سترہ سو حاجیوں کو ایک معلّم کے حوالہ کرکے فی حاجی کے حساب سے مناسب کمیشن اپنے لئے وصول کرے۔ ہم نے کلرک کو سمجھایا کہ اس ظالم کے ہاتھ میں ہمارے پاسپورٹ نہ دیں۔ اور کلرک کو کمپنی کے کئے ہوئے تمام کارناموں سے آگاہ کیا۔ کلرک انتہائی شریف اور رحمدل تھا۔ اس نے ہمیں اطمینان دلایا کہ میں قطعاً کمپنی والے کو تمہارے پاسپورٹ نہیں دوں گا۔

رات کو کمپنی والا میرے کمرے میں آیا اور کافی منت سماجت کی اور پھر کافی رقم دینے کا لالچ دیا۔ میں نے اسکو کہاکہ ہم حاجی فروشی کے لئے نہیں آتے ہیں۔ آپ اس ذلیل ارادہ میں ہم سے معاونت کی توقع نہ کیجئے۔ کلرک نے مجھے تمام پاسپورٹ دے دئے۔ میں نے چند احباب کی امانت اور ہمدردی سے معمولی وقت میں ہر ایک کو اپنا اپنا پاسپورٹ پہنچا دیا ؎

الفت میں برابر ہے جفا ہو کہ وفا ہو ہر چیز میں لذت ہے اگر دل میں مزا ہو

کیپٹن کو پہلے سے کہا گیا تھا کہ میقات آنے سے قبل ہمیں اطلاع دیدی جائے۔ تاکہ احرام کے لئے غسل یا وضو کرکے احرام کے کپڑے وقت سے قبل پہن لئے جاویں۔ چنانچہ سیٹی پر حاجیوں میں ایک انقلاب رونما ہوا۔ ہر ایک غسل یا وضو کے لئے مستعد ہوا اور بکسوں اور بستروں سے احرام

کے کپڑے نکالنا شروع کئے ۔ کافی دیر بعد دوسری مشین ہوئی تو حاجی احرام باندھنے کے لئے تیار ہوئے
زبان سے دعا نکلی خدا کرے کہ تمام حاجیوں کو حج مبرور و مقبول نصیب ہو جس کا ثواب اور بدلہ جنت
ہی صحیح روایات سے ثابت ہے۔ حج مبرور حاجی کو گناہوں سے ایسا پاک کر دیتا ہے۔ جیسا کہ بچہ پیدائش
کے وقت گناہوں سے پاک و صاف ہوتا ہے۔ چاروں طرف آہ و بکا ، گریہ و زاری ، ذکر و اذکار کا
غلغلہ ہے کسی نے صرف حج کی نیت باندھ لی اور زبان سے یہ کلمات کہے :

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اُرِیْدُ الْحَجَّ فَیَسِّرْہُ لِیْ وَتَقَبَّلْہُ مِنِّیْ۔	اے میرے مولا میں حج کی ادائیگی کا ارادہ کر چکا ہوں پس میرے لئے حج آسان فرما کر قبول فرما۔

کسی نے صرف عمرہ کی نیت کر لی اور زبان سے یہ کلمات کہے :

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اُرِیْدُ الْعُمْرَۃَ فَیَسِّرْھَا لِیْ وَتَقَبَّلْھَا مِنِّیْ۔	اے میرے مولا میں عمرہ ادا کرنے کی نیت کر رہا ہوں پس میرے لئے عمرہ آسان فرما اور قبول فرما۔

کسی نے عمرہ اور حج دونوں کی نیت کر لی اور زبان سے یہ کلمات کہے :

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اُرِیْدُ الْعُمْرَۃَ وَالْحَجَّ فَیَسِّرْھُمَا لِیْ وَتَقَبَّلْھُمَا مِنِّیْ۔	اے میرے مولا میں عمرہ اور حج دونوں کی نیت کرتا ہوں پس دونوں میرے لئے آسان فرما اور قبول فرما۔

پہلی قسم افراد ہے۔ دوسری قسم تمتع اور تیسری قسم حج قران ہے۔ ان میں جس قسم کی نیت آپ کریں وہ بہتر
ہے اور ائمہ اربعہ میں کسی نہ کسی کے ہاں افضل ہے۔

تلبیہ | میں نے تو قران کی نیت کر لی جو امام ابو حنیفہؒ کے ہاں افضل ہے۔ تلبیہ یعنی حج کا
محبوب ترانہ :—

لَبَّیْکَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ	اے اللہ ہم تیرے در پر حاضر ہو رہے ہیں۔
لَبَّیْکَ لَا شَرِیْکَ لَکَ لَبَّیْکَ	تمہارا کوئی شریک نہیں۔ ہم تمہارے در پر حاضر ہیں۔
اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَۃَ لَکَ وَالْمُلْکَ	یقیناً تمام تعریفیں اور نعمتیں اور بادشاہی آپ
لَا شَرِیْکَ لَکَ لَبَّیْکَ۔	ہی کے لئے ہیں آپ کا کوئی شریک نہیں۔ ہم آپ کے در پر حاضر ہیں۔

کی صداؤں سے سطح سمندر پر ایک غلغلہ بلند ہو گیا۔ دنیاوی باتوں کو چھوڑ دیا گیا زبانوں پر لبیک کے پیارے
کلمات تھے۔ تضرع و الحاح کے ساتھ دعائیں مانگی جا رہی تھیں۔ اس وقت اگر کوئی خدا نخواستہ یہ لمحات بھی
غفلت اور بیہودہ کلام میں گذارے تو ماسوائے بدنصیبی کے کیا ہو سکتا ہے۔ مال خرچ کرنے اور اہل و عیال سے

دور رہنے کی زحمت کے اور کیا ہو گا۔

احرام | اب دیارِ حبیبؐ کے آثار رونما ہونے لگے۔ یہ احرام اسکی بیّن دلیل ہے۔ دنیا کے کپڑے تو اس سے حاجیوں نے اتار کر احرام کی دو چادریں پہن لی ہیں۔ کہ یہ رب العالمین کی بارگاہِ قدس میں حاضر ہونے کا لباس ہے۔ جس طرح شاہی دربار میں داخلہ کے لئے ممتاز لباس پہنا جاتا ہے۔ خدا جس کے قبضۂ قدرت میں سلاطین عالم کی ارواح ہیں کے شاہی دربار میں حاضری کا یہ لباس ہے۔ شاہانِ دنیا کے دربار میں غنی اور فقیر آقا و غلام کے درمیان امتیاز کرنے والا لباس ہوتا ہے۔ اور حاکم و محکوم کے علیحدہ علیحدہ نشانات اور تمغے، بخلاف اس شہنشاہی دربار کے، یہاں تو شاہ و گدا امیر و غریب سب کے سب برابر ہیں۔

ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز نہ کوئی بندہ رہا اور نہ کوئی بندہ نواز

احرام سے قبل امیر و فقیر کا امتیاز ہو سکتا تھا۔ جبہ و دستار کی زرق برق رنگینیاں اور کوٹ پتلون سے فرقِ مراتب نمایاں تھا۔ مگر احرام کے بعد رب العالمین کی بارگاہ میں فقیرانہ بھیس میں جانا ہوگا۔ یہاں عجز و نیاز تواضع اور انکساری کام آئے گی۔ امیرانہ لباس اور شاہانہ وضع قطع کو یہاں چھوڑنا ہوگا۔ مسکینی اور فقیری اختیار کرنی ہوگی ـــــ بزرگانِ دین سے سننے میں آیا ہے۔ کہ جسطرح اس احکم الحاکمین کے دربار میں حاضری سے قبل اپنا محبوب و مرغوب لباس اتار کر احرام باندھا جاتا ہے، اسی طرح دنیا کی محبت اور خواہشات کی اتباع بھی دلوں سے نکال کر اللہ و رسول کی محبت و اطاعت کو دل میں جگہ دینی چاہئے ـــــ

سحری کے وقت احباب نے جگایا اور بشارت دی کہ وہ سامنے جدّہ کی بجلیاں جگمگ جگمگ کر رہی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا شکریہ ادا کیا۔

صبا بپیام رسانید و شادماں گشتیم طلوعِ صبحِ سعادت در انتظار ما است

جدّہ کے ساحل پر | ابھی سورج طلوع نہیں ہوا تھا کہ جہاز ساحل سے دور لنگر انداز ہوا۔ جمعہ کا دن تھا، ارادہ کیا کہ جمعہ کی نماز مسجد الحرام میں پڑھی جائے۔ بیشمار بحری سفینے ساحلِ جدّہ پر لنگر انداز تھے۔ سفینۃ الحجاج اور سفینۂ عرب پر پاکستانی جھنڈے اپنے ہم وطنوں کو سلامی دے رہے تھے۔ مختلف ممالک کے جہازوں سے سمندر میں ایک شہر آباد ہو گیا تھا۔ ہمارا جہاز ایک گھنٹہ تک کھڑا رہا ہم نے کپتان کو کہا کہ رصیف (پلیٹ فارم) پر جہاز لے جائیں۔ اس نے بتایا کہ ابھی تک ہمیں اجازت نہیں ملی۔ کپتان نے ہمارے اصرار پر خطرہ کے الارم دینے کا حکم دیا۔ چنانچہ دو الارم بج گئے۔ تھوڑی

دیر بعد ایک لانچ میں پولیس کا ایک افسر اور دیگر حکام آئے۔ ان کو جب جہاز میں قدم رکھنے کی جگہ نہ ملی اور ہجوم دیکھا تو غصہ میں آگئے۔ کیپٹن کو بلا کر کافی ڈانٹا اور کہا لقد لعبت بالارواح۔ آپ نے تو ان ارواح سے کھیلا ہے۔ اس چھوٹے جہاز میں اتنے نفوس۔ کیپٹن نے کہا مجھے اردنی حکومت نے مجبور کر دیا تھا۔ اتنے میں جہاز کا مالک باخشب آگیا۔ اس نے حکام کو راضی کرنے کی کوششیں کیں مگر بے سود ثابت ہوئیں۔ جہاز کے مالک کو جرمانہ کر دیا گیا۔ ان کے جانے کے بعد ڈاکٹر آیا، جو پاکستانی تھا۔ اس نے ہم سے دریافت کیا کہ آپ کے پاس "شہادۃ البراز" (پاخانے کے معائنے کا طبی سرٹیفکیٹ) ہے؟ ہم نے کہا نہیں۔ وہ چلا گیا۔ ہم تمام دن جہاز میں رہے۔ خیال تھا کہ جمعہ کی نماز مسجد الحرام میں پڑھیں گے مگر۔۔۔ ع ہزاروں لغزشیں حائل ہیں لب تک جام آنے میں۔

شام کے وقت ہمیں جہاز سے اترنے کی اجازت ملی۔ سامان جہاز ہی میں چھوڑنے کا حکم ملا۔ اتر کر بسوں میں سوار ہوئے۔ دو میل دور ایک جگہ پر اتارا گیا۔ دیکھا تو صحرا میں شاندار کمرے ہیں قیمتی پلنگ اور بستر ہیں کسی نے کہا بہت شاندار حاجی کیمپ ہے۔ میں نے کہا یہ ہسپتال معلوم ہو رہا ہے۔ پوچھا تو جواب ملا ھذا مستشفی السعودی (یہ سعودی ہسپتال ہے) آپ کو یہاں دو دن رہنا ہوگا تاکہ شہادۃ البراز آپ کو مل سکے۔ ایک گھنٹہ کے اندر اندر سترہ سو پاکستانیوں کو مختلف قسم کے کھانے پہنچا دیئے گئے۔ پھر ہر ایک کو ایک ایک ڈبہ دیا گیا۔ چند منٹ بعد پاکستانی نرس آئی۔ اس نے ہر ایک کا نام پوچھا اور ڈبوں پر وہ نام لکھ دیئے۔ ہم نے نرس سے دریافت کیا کہ یہ ڈبہ کس لئے ہے؟ اس نے ہنس کر جواب دیا کہ اس میں پاخانہ کر کے اپنے اپنے کمرے کے ٹیبلوں میں رکھنا ہوگا۔ صبح یہ ڈبے ڈاکٹر کے ہاں معائنہ کے لئے جمع کئے جائیں گے۔ ہم اسی وقت بڑے ڈاکٹر کے پاس گئے مگر وہ نہ ملے پھر ایک لیڈی ڈاکٹر آئی، اسکو ہم نے سمجھایا کہ ان ڈبوں پہ خدا و رسول کے نام ہیں۔ کیونکہ کسی کا نام عبداللہ کسی کا عبدالرحمٰن، محمد شفیع وغیرہ ہے تو ان ڈبوں میں ٹٹی کرنا کتنی بے ادبی ہے۔ میں نے کہا: ان کان ھذا امر اللہ فاھلاً و سھلاً لامر اللہ۔ (اگر یہ اللہ کا فرمان ہے، تو بسر و چشم قبول ہے۔) وان کان امر رسول اللہ فامرہ مطاع۔ (اور اگر یہ رسول خدا کا حکم ہے تو ہم اس کے تابعدار ہیں۔) لیڈی ڈاکٹر نے کہا ھذا امر اولی الامر (یہ ارباب اقتدار کا فرمان ہے)۔ بعض نے تو نا سمجھی میں اس حکم کی تعمیل کی اور سمجھداروں نے اس حکم کی خلاف ورزی اپنے لئے کامیابی سمجھی۔ مجبوراً دو دن وہاں رہنا پڑا۔ پیر کی شام کو تبلیغی جماعت کے دو ساتھی (جو شریک سفر تھے) ہمارے کمرے میں آئے اور فرمانے لگے کہ آج رات ہسپتال کی مسجد میں تمام ساتھیوں کو اکٹھا کر کے

کا انتظام ہو چکا ہے۔ آپ آکر مسائل حج بیان کریں۔ میں نے کہا بہت خوب۔ اکثر احباب عشاء کی نماز کے لئے آئے اور نماز کے بعد تقریر کا آغاز اس شعر سے ہوا ۔

سنا ہے کل تیرے در پہ ہجوم عاشقاں ہو گا　　اجازت ہو تو آکر میں بھی شامل ان میں ہو جاؤں

پھر حسب استطاعت بیان ہوا۔ اللہ تعالیٰ ان تبلیغی حضرات کو اپنی رحمت کے خزانوں سے جزائے خیر عطا فرماوے۔ ان کی شبانہ روز کوششوں سے ملت بیضا کی نشر و اشاعت کا سلسلہ جاری ہے۔
پیر کے دن ظہر سے پہلے معلم سے نجات ملی۔ مدینۃ الحجاج میں بسوں کے ذریعہ جا کر معلموں کی فیس ایک سو ریال ادا کی۔ ظہر کی نماز کے بعد بسیں روانہ ہوئیں۔ جدہ سے مکہ معظمہ تقریباً پچاس کیلومیٹر ہے۔ دو طرفہ سڑک ہے۔ اور ہر ایک سڑک صاف شفاف اور اتنی چوڑی ہے کہ چار بسیں بآسانی چل سکتی ہیں۔ مگر ان دنوں بسوں، ٹرکوں اور ویگنوں اور کاروں کے دو طرفہ ہجوم کا تانتا بندھا ہوا تھا۔ ہر طرف سفید لباس میں ملبوس انسانوں کی ایک دنیا تھی۔ سب کی زبان پر لَبَّيْكَ اللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ کے نعرے تھے ——— اللہ اللہ یہ سر زمین حجاز ہے۔ یہاں وحی نازل ہوتی تھی، یہاں کا ذرہ ذرہ اسلام کی صداقت کی شہادت دے رہا ہے۔ احرام کی حالت میں اس بابرکت زمین پر جانا محض فضل ایزدی ہے۔
مکہ مکرمہ کے آثار | جوں جوں مسافت طے ہوتی گئی اشتیاق دید کی حرارت بڑھتی گئی ——— ہم دار امن اور دار سلام کی طرف جا رہے تھے۔ جہاں سب کیلئے امن و سلامتی ہے۔ حیوان ہو یا انسان تمام کے تمام مامون و محفوظ ہیں۔ نہ یہاں قتل و غارت ہے اور نہ ظلم و عدوان، نہ کسی جاندار کا شکار کیا جاتا ہے۔ اور نہ کسی درخت اور گھاس کو کاٹا جاتا ہے۔ یہ سر زمین مکہ، مدینہ اور بیت المقدس تمام روئے زمین پر مجد و شرف کی یادگار ہے۔ شمیسیہ کے پاس یہ مینار حدود حرم کو زمین حل سے جدا کر رہا ہے۔ حرم کی ان حدود کی نشاندہی انبیاءؑ کے جد امجد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمائی ہے۔ اور انہیں کی وہ دعا ہے۔ جو ہر سال ان دنوں میں اقطار عالم سے مسلمانوں کو مقناطیس کی طرح کھینچ لیتی ہے۔

رَبَّنَا إِنِّي أَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِي بِوَادٍ	اے ہمارے پروردگار میں نے اپنے اہل و عیال کو
غَيْرِ ذِي زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ	ایک بے کھیتی میدان میں بسایا ہے جو تیرے باعزت
رَبَّنَا لِيُقِيمُوا الصَّلٰوةَ فَاجْعَلْ أَفْئِدَةً	گھر کے قریب ہے تاکہ نماز کو قائم کریں۔ پس
مِنَ النَّاسِ تَهْوِي إِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُمْ	بعض لوگوں کے دلوں کو ان کی طرف مائل فرمائے
مِنَ الثَّمَرَاتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُونَ ۔	اور ان کو میووں کی روزی عطا فرما تاکہ وہ آپ کا
(سورۂ ابراہیم ۳۷)	شکر و سپاس ادا کریں۔

اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اعلان کی صدائے بازگشت ہے جو ہر سال ان دنوں میں مسلمانوں کے دلوں میں بیت اللہ کی دید کے جذبات ابھار دیتی ہے، اور لاکھوں انسان اقصائے عالم سے یہاں پہنچ جاتے ہیں حضرت ابراہیمؑ نے ایک اونچے پہاڑ پر کھڑے ہوکر یہ اعلان فرمایا تھا:

وَاَذِّنْ فِی النَّاسِ بِالْحَجِّ یَاْتُوْكَ رِجَالًا وَّعَلٰی كُلِّ ضَامِرٍ یَّاْتِیْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِیْقٍ ط (الحج ۲۲)

اور لوگوں میں حج کا اعلان کر دیجئے تاکہ وہ دور دراز راستوں سے تیرے پاس پیادہ اور دبلی اونٹنیوں پر سوار ہوکر حاضر ہوں۔

حرم میں داخلہ اس کے بعد ہم حرم میں داخل ہوئے، وہ حرم جسکو اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف منسوب کرکے محبوب و محترم بنا دیا ہے۔ حالانکہ تمام کائنات اللہ تعالیٰ ہی کی ملکیت میں ہے۔ مگر اپنی طرف نسبت کرنے سے منسوب کی عظمت کی طرف اشارہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کلمات کے کہنے پر مامور فرمایا۔ قرآن مجید میں ہے:

اِنَّمَآ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ رَبَّ هٰذِهِ الْبَلْدَةِ الَّذِیْ حَرَّمَهَا وَلَهٗ كُلُّ شَیْءٍ وَّاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ۔

مجھے حکم دیا گیا کہ اس شہر کے رب کی عبادت کروں جس نے اسے محترم بنا دیا اور ہر چیز اسکی ہے۔ اور یہ کہ میں فرمانبرداروں میں سے ہو جاؤں۔

....

حدود حرم کی دعائیں حرم کی حدود میں داخل ہوتے ہوئے زائرین کی زبانوں پہ یہ کلمات تھے۔

اَللّٰهُمَّ اِنَّ هٰذَا الْحَرَمَ حَرَمُكَ وَالْبَلَدَ بَلَدُكَ وَالْاَمْنَ اَمْنُكَ وَالْعَبْدَ عَبْدُكَ جِئْنَاكَ مِنْ بِلَادٍ بَعِیْدَةٍ بِذُنُوْبٍ كَثِیْرَةٍ وَّاَعْمَالٍ سَیِّئَةٍ اَلْسَّاَلُكَ مَسْاَلَةَ الْمُضْطَرِّیْنَ اِلَیْكَ الْمُشْفِقِیْنَ مِنْ عَذَابِكَ اَنْ تَسْتَقْبِلَنِیْ بِمَحْضِ عَفْوِكَ وَاَنْ تُدْخِلَنِیْ فِیْ فَسِیْحِ جَنَّتِكَ جَنَّةِ النَّعِیْمِ۔

اے اللہ یہ تیرا ہی حرم ہے اور تیرا ہی شہر ہے اور تیرا ہی امن ہے میں تیرا ہی بندہ ہوں۔ اے ہمارے مولا ہم دور دراز شہروں سے گناہوں کے بوجھ لادے ہوئے تمہاری رحمت و مغفرت کی امید پر حاضر ہوئے ہیں، انتہائی تضرع کے ساتھ تم ہی سے مانگ رہے ہیں، تمہارے عذاب سے خائف و ترساں ہیں، اپنی خالص بخشش سے ہمیں اپنی وسیع جنتوں میں داخل فرما۔

....

اَللّٰهُمَّ هٰذَا حَرَمُكَ وَاَمْنُكَ فَحَرِّمْ لَحْمِیْ وَدَمِیْ وَشَعْرِیْ وَبَشَرِیْ عَلَی النَّارِ وَاٰمِنِّیْ مِنْ عَذَابِكَ یَوْمَ تَبْعَثُ عِبَادَكَ۔

اے خدا یہ تیرا حرم اور امن ہے۔ ہمارے گوشت و پوست خون، بال دوزخ کی آگ سے بچا اور ہمیں قیامت کے دن اپنے عذاب سے بچا۔

(باقی آئندہ)

مولانا مہر محمد صاحب۔ نیو ٹاؤن کراچی

قسط ۲

تردید انکارِ حدیث

تسلسل کیلئے ملاحظہ ہو الحق جمادی الاولیٰ ۱۴۰۳ھ

حدیث و سنّت

قرآنِ کریم اور اقوالِ ائمہ کی روشنی میں

حدیث و سنت قرآن کا بیان اور اسکی تشریح ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر نبی پر اسکی قومی زبان میں اپنا کلام نازل فرمایا اور اوامر ونواہی، مواعظ و امثال انکی قومی زبان میں بیان فرمائے تاکہ وہ قوم کے ہم زبان ہو کر اللہ تعالیٰ کے احکام آسانی سے پہنچا سکے اور مجمل و مبہم مقامات کی تشریح سہل انداز میں کر سکے۔ تاکہ سامعین کو سمجھنے اور تسلیم کرنے میں کسی قسم کی رکاوٹ اور تکلیف نہ ہو۔ چنانچہ سورۃ ابراہیم میں اللہ تعالیٰ اس ضابطے کو بیان فرماتے ہیں:

وما ارسلنا من رسول الا بلسان قومہ لیبین لھم ۔ (ابراہیم ع ۱)

ہم نے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر اسکی قوم کی زبان میں (احکام دیکر) بھیجا۔ تاکہ وہ خوب تشریح کر کے بیان کر سکے۔

چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے انبیاء علیہم السلام کی نبوت و رسالت ایک خاص قوم، ایک علاقہ یا شہر اور ایک خاص وقت تک محدود رہتی تھی۔ قومیت، زمانہ اور مقام کے لحاظ سے عمومیت بالکل نہ تھی۔ اس لئے مذکورہ بالا سنت خداوندی ان کے حق میں تو واضح ہے۔ مگر سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت تینوں جہتوں سے عام ہے۔ بلکہ روئے زمین کے ہر ہر فرد اور قیامت تک آئندہ نسلوں کیلئے پیغام ہدایت ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ۔ (سبا ع ۳)

ہم نے آپ کو تمام لوگوں کیلئے بشیر و نذیر بنا کر بھیجا۔

نیز لسان صداقت سے اعلان کروا دیا:

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا ۔ (اعراف ع ۲۰)

فرما دیجئے اے لوگو کہ بیشک میں تم تمام کی طرف رسول بنا کر مبعوث کیا گیا ہوں۔

اس لئے مذکورہ ارشاد قرآن کریم کے اولین مخاطب یعنی عرب کے لئے بطور مثال بیان فرمایا۔ کہ ہم نے اپنی سنت جاریہ کے مطابق تمہاری طرف بھی تمہاری ہی قومی زبان (عربی) میں، ہادیٔ اعظم کو بھیجا ہے۔ تاکہ اختلاف و تغایر زبان کی وجہ سے اس کے سمجھنے میں تمہیں دقت نہ پیش آئے۔ چنانچہ باری تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَاِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ عَلٰى قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِيْنٍ۔ (شعراء ع ۱۱)

یہ کلام جہانوں کے پروردگار کی جانب سے نازل شدہ ہے۔ حضرت جبریل امین نے آپ کے دل پر اسے اتارا ہے تاکہ آپ عربی فصیح و بلیغ زبان میں ڈرانے والے ہوں۔

جب یہ دین تمام اقوام عالم کیلئے تاقیامت رہبر ہے۔ تو دنیا کی سینکڑوں زبانوں میں جو نزول قرآن کے وقت پیدا ہی نہ ہوئی تھیں قرآن کریم کا نزول متعذر اور بے فائدہ تھا۔ اور ان میں اسکی تشریح و تبیین ناممکن تھی، تو آئندہ نسلوں کیلئے اسکی حفاظت و تبلیغ تو بدرجہ اولیٰ محال تھی۔ لہذا ایک ایسی عمدہ فصیح و بلیغ اور بین الاقوامی زبان میں اتارا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی لسان اقدس سے اس کے حقائق و معارف اور مبہمات و مجملات کی تفسیر کرادی جو نزول قرآن کے وقت اپنے عروج پر تھی۔ اور انشاء اللہ اپنے جمیع محاسن سمیت، تاقیامت موجود رہے گی۔ زمانہ کے نشیب و فراز اسے ہرگز ختم نہیں کرسکتے۔ کیونکہ قرآن کریم اور اسکی تفسیر نبوی نے اپنی اصل زبان کے ساتھ تاقیامت رہنا ہے۔ اور یہ اس وعدہ کے تحت ہے جو رب العزت نے حفاظت قرآن کا فرمایا ہے:

انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون۔ (حجر ع ۱)

بیشک ہم ہی نے اس ذکر (قرآن کریم مع تفسیر صحیح) کو نازل فرمایا۔ اور بیشک البتہ ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔

جمہور محدثین اور مفسرین کی تحقیق کے مطابق آپ کے اقوال و ارشادات کی حفاظت بھی اس وعدہ کے تحت ہے۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو تبیین و تشریح فرمائی وہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد کے مطابق تھی۔ آپ کے اس منصب جلیل کا ذکر اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ میں فرمایا:

وانزلنا الیک الذکر لتبین للناس ما نزل الیہم (النحل ع ۶)

ہم نے آپ کی طرف ذکر (قرآن کریم) نازل کیا۔ تاکہ آپ کھول کر لوگوں کے سامنے وہ احکام و ارشادات بیان کریں جو ان کی طرف نازل کئے گئے ہیں ——

اس آیت سے معلوم ہوا کہ تبیین القوم (صرف ایک قوم کیلئے بیان) سابقہ انبیاء علیہم السلام کا فریضہ تھا۔

مگر آپ کے ذمے تبیین للناس (تمام لوگوں کو سمجھانا) کا فریضہ عائد کیا گیا۔ جو وسعت نبوت کے علاوہ علو مرتبی پر بھی دال ہے۔ ظاہر ہے کہ ہادیٔ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم جب مختلف اوقات میں مختلف حالات میں مختلف اغراض شرعیہ کے تحت مختلف لوگوں کے سامنے ایک ہی مسئلہ اور حکم شرعی بیان فرمائیں گے۔ تو لازمی طور پر آپ کے الفاظ و تعبیرات اور احوال و ظروف کی رعائتیں متنوع اور مختلف ہوں گی۔ یہ اختلاف الفاظ و تعبیرات اور اختلاف احوال و ظروف ہی درحقیقت امت کیلئے مختلف و متنوع احکام کا مرجع اور وجوہ فقہیہ کا منبع و ماخذ ہیں۔ اور یہی وجوہ احکام شرعیہ کی تکمیل کا ذریعہ ہیں۔ تو یہ اختلاف الفاظ و تعبیرات ایک ہی معنیٰ و مفہوم کیلئے تبیین و تشریح کہلاتا ہے۔ بالفاظِ دیگر اسی کو حدیث و سنت سے موسوم کرتے ہیں۔ اور امت کیلئے واجب التسلیم والعمل ہوتا ہے۔

ائمہ حدیث کے چند اقوال مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ روی الخطیب عن حسان بن عطیۃ قال کان جبریل ینزل علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم بالقرآن والسنۃ تفسر القرآن

خطیب بغدادی نے کفایہ میں حضرت حسان بن عطیہ سے روایت کی ہے۔ فرمایا حضرت جبریل قرآن لیکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوتے تھے۔ اور وہ سنت بھی لاتے تھے جو قرآن کی تفسیر کرتی ہے۔

۲۔ ایک اور سند سے یہی روایت ان الفاظ میں ہے:

کان جبریل ینزل علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بالسنۃ کما ینزل علیہ بالقرآن۔ یعلمہ ایاھا۔ کما یعلمہ القرآن۔

حضرت جبریل علیہ السلام حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایسے سنت لیکر نازل ہوتے تھے۔ جیسے قرآن لاتے تھے اور اسی طرح جیسے قرآن کی تعلیم دیتے تھے۔ سنت کی بھی تعلیم دیتے تھے۔

۳۔ حدثنا الفضل بن زیاد قال سمعت احمد بن حنبل وسئل عن الحدیث الذی روی ان السنۃ قاضیۃ علی الکتاب قال ما اجترء علی ھذا ان قولہ ولکن السنۃ تفسر الکتاب و تعرف الکتاب وتبینہ [1]

فضل بن زیاد نے امام احمد بن حنبل سے یہ کہتے ہوئے سنا جبکہ ان سے اس قول کے متعلق دریافت کیا گیا۔ کہ سنت قرآن پر فیصلہ کرنے والی ہے۔ کہ میں یہ تو کہنے کی جرأت نہیں کرتا۔ لیکن یہ کہتا ہوں کہ سنت کتاب اللہ کی تفسیر کرتی ہے۔ اور اسے سمجھاتی اور اسکی تشریح کرتی ہے۔

---

[1] کفایہ ص۱۰

۴۔ اعضاء میں رنگ بھرنے اور بھروانے والی عورتوں پر حضرت عبداللہؓ بن مسعود نے لعنت کی بنی اسد کی ایک عورت کو یہ خبر پہنچی وہ قرآن پڑھا کرتی تھی، تو وہ آکر کہنے لگی کہ آپ نے کیوں لعنت کی تو آپ نے فرمایا کہ میں اس پر کیوں نہ لعنت کروں جس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت کی ہے۔ اور اسکی حرمت کتاب اللہ میں بھی موجود ہے۔ وہ کہنے لگی میں نے تو از اول تا آخر سب قرآن پڑھا ہے، کہیں اسے نہیں پایا تو حضرت عبداللہ بن مسعود فرمانے لگے کہ اگر تو نے (سمجھ کر) پڑھا ہوتا تو تجھے ضرور مل جاتا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وما اتاکم الرسول فخذوہ وما نھاکم عنہ فانتھوا[1] — اللہ تعالیٰ کا رسول تمہیں جو احکام (واموال) دیں تو اسے لے لو۔ اور جن چیزوں سے روکیں تو رک جاؤ۔

حضرت عبداللہؓ بن مسعود نے ایک قاعدہ سمجھایا کہ جس چیز کی حرمت یا حلت آپ نے بیان فرمائی ہے وہ بھی قطعی حرام یا حلال ہے اور اسے ماننا ضروری ہے۔ اسی آیت کے تحت داخل کرکے ہم کہہ سکتے ہیں کہ وہ بھی اللہ کی حرام کردہ ہے۔ اور قرآن کریم میں اس کا ذکر موجود ہے۔

۵۔ عمرانؓ بن حصین اپنے ساتھیوں کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک شخص کہنے لگا کہ ہمارے سامنے صرف قرآن ہی بیان کیا کرو آپ نے اسے قریب بلاکر کہا کہ اگر تم اور تمہارے ساتھی صرف قرآن ہی کو لے بیٹھیں، تو بتاؤ اس میں ظہر کی چار رکعتیں اور عصر کی چار رکعتیں اور مغرب کی تین رکعتیں اور پہلی دونوں قراۃ سورت تفصیلاً پاتے ہو۔ نیز یہ بھی بتاؤ کہ طواف بیت اللہ کے سات چکروں اور صفا و مروہ کے درمیان دوڑنے کا ذکر پاتے ہو۔ پھر فرمایا اے قوم ہم سے حدیثیں (بھی) سنا کرو۔ بخدا اگر ایسا نہ کروگے تو گمراہ ہو جاؤگے[2]

۶۔ عبدالرحمن بن مہدی فرماتے ہیں کہ انسان کھانے پینے کی بہ نسبت حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا زیادہ محتاج ہے۔ اور حدیث قرآن کی تفسیر ہے۔

ایوب سختیانی نے امام اوزاعی سے فرمایا۔ تو جب کسی کو حدیث وسنت سنائے اور وہ کہے کہ یہ بات چھوڑیئے ہمیں صرف قرآن سناؤ تو آپ جان لیں کہ وہ گمراہ ہے۔ اور دوسروں کو گمراہ کرنے والا ہے[3]

---

[1] بخاری و مسلم ص ۲۰۵/ ج ۲ [2] کفایہ خطیب ص ۱۵ [3] کفایہ خطیب

ادبیات

مولانا محمد تقی عثمانی مدیر البلاغ کراچی

اے وادئ کشمیر

پچھلے دنوں محب محترم مولانا محمد تقی عثمانی مدیر ماہنامہ البلاغ معہ برادر مکرم مولانا محمد رفیع عثمانی اکوڑہ خٹک تشریف لائے۔ دو تین دن پر لطف محفلیں رہیں۔ ان مجالس کی یادگار یہ ایک نظم ہے۔ اس نظم سے شاعر نے چاندنی رات میں دریائے لنڈا (دریائے کابل) کی سیر کرتے ہوئے کشتی میں احباب مجلس کو محظوظ کیا۔ دریائے لنڈا اکوڑہ خٹک کی آبادی سے متصل دریا ہے۔ سامنے اس پار وہ گھاٹی ہے جس کو طے کر کے شاہ اسماعیل شہیدؒ اور سید شہیدؒ کے دیگر رفقاء نے دریا کو عبور کیا اور رات کے وقت اکوڑہ خٹک میں سکھوں کے کیمپ پر شب خون مارا۔ اس ماحول نے اشعار میں لطف و تاثیر کی ایک عجیب شان پیدا کر دی تھی پڑھنے والا خود بھی سراپا سوز بنا ہوا تھا اور سننے والے بھی اپنے آپ کو ڈیڑھ صدی قبل یہاں کی اس تاریخی رات میں محسوس کر رہے تھے جسے سید شہیدؒ نے لیلۃ الفرقان قرار دیا تھا۔
مولانا محمد تقی عثمانی سے معذرت کرتے ہوئے الحق غالباً پہلی بار انہیں بحیثیت ایک قادر الکلام شاعر کے متعارف کرا رہا ہے۔

—— (س) ——

★

تو حسن کا پیکر ہے تو رعنائی کی تصویر
مخمور بہاروں کے حسیں خواب کی تعبیر
رخشاں ہے ترے ماتھے پہ آزادی کی تنویر

اے وادئ کشمیر! اے وادئ کشمیر!

ہر لمحہ مچلتی ہیں ترے من میں بہاریں
مستانہ در آغوش درختوں کی قطاریں
چشموں کے ترانے ہیں کہ ساون کی ملہاریں

ندیوں میں تری نغمۂ آزادی کی تفسیر
اے وادئ کشمیر! اے وادئ کشمیر

کیوں تیری فضاؤں پہ اداسی کے نشاں ہیں ؟
چشمے ترے کیوں نالہ کش و نوحہ کناں ہیں ؟
نکھرے ہوئے گلزار بھی کیوں محوِ فغاں ہیں ؟

کہسار ترے کیوں ہیں جگر بستہ و دلگیر
اے وادیٔ کشمیر ! اے وادیٔ کشمیر !

شاید تجھے مسلم کی وفاؤں سے گلہ ہے
فریاد تری سچ ہے، ترا شکوہ بجا ہے
لیکن مرے محبوب وہ وقت آن لگا ہے

گونجے گا فضاؤں میں جب اک نعرۂ تکبیر
اے وادیٔ کشمیر ! اے وادیٔ کشمیر !

مانا کہ دلوں میں وہ تب و تاب نہیں ہے
مانا مری تلوار میں وہ آب نہیں ہے
اب عزمِ مسلمان وہ سیلاب نہیں ہے

گردش میں ہے برسوں سے مری قوم کی تقدیر
اے وادیٔ کشمیر ! اے وادیٔ کشمیر !

مانا تری مٹی پہ بہت خون بہا ہے
تو نے غم و آلامِ غلامی کو سہا ہے
لیکن مرے ہمدم ! مرا دل بول رہا ہے

ہمت کی حرارت سے پگھل جائے گی زنجیر
اے وادیٔ کشمیر ! اے وادیٔ کشمیر !

تکبیر کا نعرہ تری عصمت کا امیں ہے
چھٹنے کو ہے تاریکیٔ غم مجھ کو یقیں ہے
کیا ظلمتِ شب صبح کی تمہید نہیں ہے

کیا خونِ شفق رنگ نہیں مژدۂ تنویر
اے وادیٔ کشمیر ! اے وادیٔ کشمیر !

اب وقت ہے سینوں میں عزائم کو جگا لیں
ہم جام و سبو توڑ کے تلوار اٹھا لیں
ہر راہِ گلستاں کو کمیں گاہ بنا لیں

کمزور ہے لیکن ابھی ٹوٹی نہیں شمشیر!
اے وادیٔ کشمیر! اے وادیٔ کشمیر!

ہیں یاد ابھی خالدؓ و طارقؒ کے فسانے
کچھ دور نہیں احمدؒ و ٹیپوؒ کے زمانے
اٹھو کہ چلیں ظلم کو دنیا سے مٹانے

پھر زندہ کریں دہر میں یہ اسوۂ شبیر
اے وادیٔ کشمیر! اے وادیٔ کشمیر!

ہم کو ترے شاداب نظاروں کی قسم ہے
جہلم کے دلآویز کناروں کی قسم ہے
پھولوں کی، درختوں کی، چناروں کی قسم ہے

کاٹیں گے ترے پاؤں سے ہر ظلم کی زنجیر!
اے وادیٔ کشمیر! اے وادیٔ کشمیر!

سر حرمتِ توحید پہ کٹوا کے رہیں گے
ہم کفر کے طوفان سے ٹکرا کے رہیں گے
طاغوت کے ایوان کو اب ڈھا کے رہیں گے

پیوند زمیں ہوگی ہر اک کفر کی تعمیر
اے وادیٔ کشمیر! اے وادیٔ کشمیر!

اک غلغلۂ نعرۂ تکبیر اٹھا کر
یہ برقِ تپاں خرمنِ باطل پہ گرا کر
توپوں کے برستے ہوئے شعلوں میں نہا کر

ہم خون سے لکھیں گے تری آزادی کی تحریر
اے وادیٔ کشمیر! اے وادیٔ کشمیر!

دشمن کے عزائم تری مٹی میں ملیں گے
مدت سے جو رِستے ہیں ترے زخم سلیں گے
اس خاک پہ الفت کے حسیں پھول کھلیں گے

صیّاد جو اب تک تھا وہ بن جائے گا نخچیر!
اے وادیٔ کشمیر! اے وادیٔ کشمیر!

پھوٹیں گے تری خاک سے پھر نور کے دھارے
ظلمت کدۂ کفر سے اٹھیں گے شرارے
گونجیگی اذانوں کی صدا ڈل کے کنارے

پھر جاگ اٹھے گی تری سوئی ہوئی تقدیر
اے وادیٔ کشمیر! اے وادیٔ کشمیر!

تو خاتمِ دنیا کا اک انمول نگیں ہے
تو حسن کا مسکن ہے بہاروں سے حسیں ہے
آسی کی نگاہوں میں تو فردوس بریں ہے

فردوس تو ہوتی نہیں شیطان کی جاگیر
اے وادیٔ کشمیر! اے وادیٔ کشمیر!

(۶ ستمبر ۱۹۶۵ء سے کچھ پہلے کہی گئی)

ایک عجیب و غریب نعت یہاں کے ایک پختہ کلام شاعر عطاء اللہ خان صاحب وکیل ڈیرہ اسماعیل خان سے بھیج رہا ہوں نعت نہایت قابل قدر اور جناب شاعر کے جذبات محبت نبویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا مظہر ہے۔

(قاضی عبدالکریم کلاچی)

ہر دو عالم در خمِ گیسوئے تو

جناب عطاء اللہ خان صاحب وکیل ڈیرہ

قبلۂ روحانیاں ابروئے تو — ہر دو عالم در خمِ گیسوئے تو
من چہ ساں از کوئے تو دامن کشم — اے خمیرِ من ز خاکِ کوئے تو

بعد من با باد ہمراہی کند — خاک من اندر ہوائے کوئے تو

شد منور آفتاب و ماہتاب — از جمال آفتاب روئے تو

روئے خود از عاشقان خود مپوش — اے من و عالم غلام روئے تو

برامیدے تا تماشائے روئے خویش — دیدہ ہائے صد ہزاراں سوئے تو

صد ہزاراں ہمچو من افتادہ اند — چوں سگان کوئے تو در کوئے تو

چوں سگاں را نسبتے با آدمی است — نسبت ما با سگان کوئے تو

از عطا در عرصۂ محشر متاب

روئے خود اے من فدائے روئے تو

احوال وکوائف دارالعلوم

تعطیلات رمضان ختم ہوتے ہی دارالعلوم کے لئے تعلیمی سال کے آغاز کی وجہ سے تمام شعبے مصروف کار ہو گئے ہیں۔ دس شوال سے دارالعلوم میں طلبہ کا داخلہ شروع ہوا۔ جدید طلباء سے امتحانِ داخلہ لیا گیا۔ طلبہ کی کثرت اور ہجوم کی وجہ سے بہت جلد مقررہ تعداد پوری ہوگئی اور داخلہ بند کرنا پڑا۔ اس عرصہ میں ملک کے مختلف حصوں اور افغانستان وغیرہ کے چار سو طلباء عربی میں داخل ہو چکے ہیں۔ جن کے قیام وطعام اور تمام ضروریات کا مدرسہ کفیل ہے۔ ۱۲ر شوال کو دارالحدیث میں ختم کلام پاک سے افتتاحی تقریب کا آغاز ہوا۔ اس تقریب میں حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مدظلہ نے ترمذی شریف کے درس سے دورۂ حدیث کا آغاز فرمایا۔ اسوقت تک طلباء دورۂ حدیث کی تعداد سو سے متجاوز ہو چکی ہے۔ تقریب میں حضرت شیخ الحدیث صاحب مدظلہ نے حاضرین سے علم کی فضیلت اور تقاضوں اور اہل علم کی ذمہ داریوں، حصولِ علم کے آداب اور شرائط پر بصیرت افروز خطاب فرمایا۔ تقریب کے اختتام میں تمام معاونینِ دارالعلوم کی ترقیات کیلئے دعائیں کی گئیں۔

اظہارِ تعزیت | دارالعلوم کی افتتاحی تقریب میں حضرت شیخ الحدیث مدظلہ نے استاد العلماء علامہ محمد ابراہیم بلیاوی صدر دارالعلوم دیوبند کے سانحہ ارتحال پر گہرے رنج و غم کا اظہار کرتے ہوئے ان کے علمی مناقب پر روشنی ڈالی اور ان کے حق میں دعائے رفع درجات کرتے ہوئے حضرت مرحوم کے تمام خاندان و متعلقین بالخصوص دارالعلوم دیوبند کے ساتھ اظہارِ تعزیت فرمایا اور تمام حاضرین نے ایصالِ ثواب اور دعا فرمائی۔ اس مجلس میں حضرت شاہ وصی اللہ صاحب الہ آبادی مرحوم اور حضرت مولانا عبدالحکیم بادشاہ صاحب سکنہ بام خیل کی وفات پر بھی اظہارِ افسوس اور ان کے حق میں ایصالِ ثواب کیا گیا۔

تعزیت | الحق کا تازہ پرچہ تیار ہو چکا تھا کہ تحصیل لکی ضلع بنوں کے مشہور روحانی اور بزرگ شخصیت حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب ابا خیل تحصیل لکی کے سانحۂ ارتحال کی اطلاع ملی۔ موصوف ایک بہت بڑے حلقہ کے مرشد اور سلسلہ نقشبندیہ معصومیہ کے ممتاز مشائخ میں سے تھے۔ دارالعلوم کے ساتھ حضرت مرحوم اور ان کے سارے خاندان کے خصوصی توجہات ہیں۔ دارالعلوم حقانیہ اور ادارہ الحق ان کے تمام متوسلین بالخصوص صاحبزادگان اور پسماندگان حضرت مولانا جان محمد صاحب، حضرت مولانا صاحبزادہ محمود صاحب (فاضل حقانیہ) حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب (فاضل حقانیہ) مولانا عبدالرحمان صاحب شیخ الحدیث جامعہ عثمانیہ راولپنڈی سے اظہارِ تعزیت کرتے ہوئے حضرت کے رفع درجات کا متمنی ہے۔ (ادارۃ الحق)